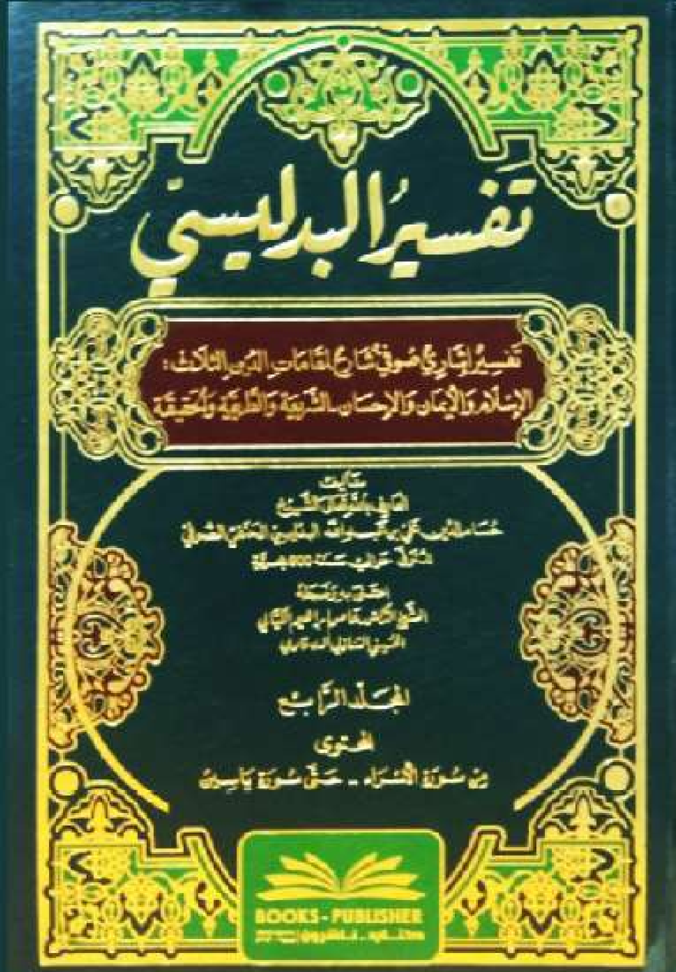
Nawa-e-Sufia International

نوائے صوفیہ

شمارہ 140 | E-edition انٹرنیشنل | مارچ 2021



تفسیرِ شیخ حسام الدین بدلیسی نوربخشیؒ



www.nawaisofia.com

احیائے تصوف کا علمبردار اور اتحاد بین المسلمین کا نقیب

نوائے صوفیہ انٹر نیشنل ای۔ایڈیشن

بفیضان نظر حضرت علامہ بشیر براہ والے قدس سرہ العزیز

شمارہ: 140 مارچ 2021ء

مدیر اعلیٰ	غلام حسن حسنو
چیف کمپوزر	حبیب اللہ کھربوہ کرگل لداخ
کمپوزر	محمد ابراہیم چھوربٹی سکردو
بتعاون	شعبہ نشرواشاعت علماء سپریم کونسل
ناشر	شاہ ہمدان تحقیقاتی ادارہ برائے تصوف
ویب سائیٹ	www.nawaisofia.com
فیس بک	www.facebook.com/nawaesofia
ای میل	articles@nawaisofia.com

مضامین موبائل اور ای میل کے علاوہ موبائل ایپلی کیشن اور ویب سائٹ سے اپ لوڈ کر سکتے ہیں۔



فہرست مضامین



اداریہ

قدر نعمت بعد زوال

غلام حسن حسنو

الحمد للہ میری ادارت میں نوائے صوفیہ شمارہ دہم نذر قارئین ہو رہا ہے۔ شمارہ اول نوائے صوفیہ مئی شمارہ 131 تھا جسے بوجوہ آن لائین ریلز کیا گیا تب سے اب تک یہ جریدہ مسلسل آن لائین ریلز کیا جارہا ہے۔ البتہ شمارہ ستمبر بوا جمال نمبر کو نوجوانان براہ نے ایک خاص جذبے کے تحت شائع کیا تھا اس شمارے میں چند لوگوں کے نازک طبع آبگینوں کو چند حقیقت پر مبنی جملوں سے ٹھیس پہنچنے چنانچہ اس شمارے کو ایک اطلاع کے مطابق نذر آتش اور دوسری اطلاع کے مطابق ضبط کیا گیا اور ایک اور ڈمی ایڈیشن شائع کیا گیا راقم دورۂ بلتستان کے دوران یہ ڈمی ایڈیشن دیکھ کر حیران ہوا۔ راقم کے اداریے تذکرو تفکر کو ہٹا کر محترم حبیب اللہ آل ابراہیم کا اسی عنوان سے اداریہ لگایا گیا تھا کیونکہ انہی لوگوں کو راقم، مولانا محسن سرموی اور یعقوب براہوی سے انہیں الرجی ہے۔ چنانچہ میرے مسلک نوربخشیہ اور بلتستان میں عدالتی اصلاحات پر اہم ترین مضمون " محکمہ شرعیہ صوفیہ نوربخشیہ"، محسن صاحب کا مضمون "سید جمال الدین کی دینی خدمات" اور یعقوب کا مضمون بعنوان " مفتی سید جمال الدینؒ کی حیات اور خدمات" کو ہٹا کر ایک ڈمی نوائے صوفیہ چھاپا گیا۔ کیا یہ دونمبری کام نہیں۔ واضح رہے جنھوں نے یہ حرکت کی ہے ان کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت بہت جلد قانونی کاروائی کی جارہی ہے۔

شمارہ فروری 2021 کو ہم نے صوفی غلام محمد مرحوم کے ملی خدامات کے حوالے سے صوفی نمبر کا عنوان دیا تھا۔ انجمن صوفیہ نوربخشیہ سکردو نے ایک خاص جذبے کے تحت شائع کیا۔ جنہیں قارئین نوائے صوفیہ نے

نہایت پسندیدگی اور تحسین کی نظر سے دیکھا قارئین کی یہ پذیرائی ہمارے لیے انتہائی حوصلہ افزا ہے۔ اس جریدے سے استفادہ کرنے والوں کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے اس کے لیے ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا حمدو شکر کرتے ہیں۔

سابق شمارہ بلتستان کے ایک محسن اور سپوت صوفی غلام محمد کے نام معنون کرنے کا اعلان کیا تھا اور قارئین نوائے صوفیہ سے مضامین، مقالات اور نظمیں ارسال کرنے کی درخواست کی تھی جس کے جواب میں ہمیں ۲۵ عدد قیمتی تحریریں موصول ہوئیں جن میں سے ایک بوجوہ شامل اشاعت نہ ہو سکا۔ قارئین نوائے صوفیہ نے نوٹ کیا ہو گا کہ اس شمارے میں لکھنے والے سوائے ہم تین چار کے باقی سب نئے لکھنے والے ہیں اس تجربے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہم میں لکھنے کی زبردست ٹیلنٹ موجود ہے صرف تحریک کی ضرورت ہے۔ یہ بھی ہمارے لیے انتہائی حوصلہ افزا ہے جس کے لیے ہم بارگاہِ ایزدی میں سربسجود ہیں۔ امید ہے کہ ہمارے یہ نئے لکھنے والے اس سلسلے کو آگے بڑھائیں گے انشااللہ ہم بھی حتی المقدور ان کی حوصلہ افزائی کریں گے۔

ہم نے سابق شمارے میں خدمت خلق کے سلسلے میں میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے باقاعدہ تحریک فتوت چلانے اور اس موضوع پر کتاب الفتوت لکھنے کی بات کی تھی اور قارئین کو اسی کو بنیاد بنا کر اس میدان میں کام کرنے کی دعوت دی تھی۔ اور شاہ ہمدان کے مکتوب بنام سلطان محمد شاہ بن سلطان خان اور رسالہ بہرام شاہیہ حوالے سے (۱) التعظیم لامر اللہ (۲) الشفقۃ علی خلق اللہ کی جانب توجہ مرکوز کرنے کو کہا تھا۔

ہم نے رفاہی اور فلاحی کاموں میں ہماری کارکردگی میں کمی کا رونا رویا تھا اور بلتی ایدی محمد جان مکسیرپی خپلو کے فلاحی کام کے حوالے سے چند پُر خلوص لوگوں کے ذریعے رفاہی اور فلاحی کاموں کا جال بچھانا وقت کی ضرورت قرار دیا تھا تاکہ کسی بھی ناگہانی آفت کی صورت حال میں بروقت متاثرین کی بحالی اور متاثرین کے سنبھلنے تک دیکھ بھال کا بندوبست ہو۔

خدمت خلق بہترین عبادت ہونے میں کوئی دورائے نہیں ہوسکتی ایک حدیث قدسی میں مخلوق کو عیال اللہ قرار دیاہے جس طرح ہم اہل وعیال کو خوش کرنے سے خوش کنندہ سے خوشنود ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ زید مجدہٗ بھی اپنے عیال کو خوش کرنے سے خوش کرنے والے بندے سے خوش ہوتا ہے اور یہ بالکل درست ہے کہ

کرو مہربانی تم اہل زمین پر

خدا مہربان ہوگا عرشِ برین پر

اس میدان میں ہمیں آگے بڑھنے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ یہ وقت کا اہم ترین تقاضا بھی ہے۔

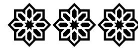
اللہ تعالیٰ نے ہمیں طرح طرح کی نعمتوں اور صلاحیتوں سے نوازاہے ہمیں ان نعمتوں اور صلاحیتوں سے بھرپور کام لینا ہوگا۔اگر ہم ان سے کام نہیں لیں گے تو وہ نعمت آہستہ آہستہ زائل اور صلاحیت دبی رہ کر ضائع ہو جائیں گی پھر ہم '' قدر نعمت بعد زوال'' کے مصداق ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔

قارئین کو یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ یہ کائنات بقائے اصلح کے اصول پر چل رہی ہے یہاں اچانک جو واقعات پیش آرہے ہیں انہیں ہم اتفاق کہہ دیتے ہیں یہاں اتفاق ہماری رسائی کی حد تک چلو درست ہے لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ یہاں کسی بھی اتفاق کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی بلکہ یہاں ہر واقعہ اور اس کے تانے بانے کے پیچھے خدائے علیم وحکیم وخبیر کی مکمل پلاننگ اور اسباب وعلل کا سلسلہ کارفرما ہوتا ہے جس کے ذریعے خلق خدا کی تنبیہہ کی جاتی ہے اور ساتھ ہی بقائے اصلح کا اصول کام کردیتا ہے مفید نہ صرف باقی رہتا ہے بلکہ اس کی اب گریڈنگ بھی ہوتی ہے جبکہ غیر مفید یا سستی وکاہلی سے غیر مفید بننے والی چیز کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔بات یہیں ختم نہیں ہوتی کہ کوئی صلاحیت سے کام نہ لینے سے ختم ہوگئی بلکہ یہ آگے بڑھتی ہے کل بروزِ قیامت بارگاہِ رب العزت میں یہ مقدمہ پیش ہوگا جس میں پوچھا جائے گا کہ ہم نے یہ نعمت اور صلاحیت تمہیں دی تھی جسے تم نے

بروئے کار لانا تھا تمہارے اس عمل کی بدولت اس سے ہمارے مخلوق کو یہ یہ فائدہ پہنچنا تھا تم نے کیوں ضائع کی؟ چنانچہ تمہاری اس غیر ذمہ داری کی وجہ سے نہ صرف ہماری نعمت ضائع ہوئی بلکہ ہمارے کثیر مخلوق بھی اس کے ثمرات سے محروم رہ گئے اس کے تم مجرم ہو! اس دن آدمی کے حیلے بہانے نہیں چلیں گے۔ آدمی کی اعضائے جوارح صاف صاف بتادیں گے کہ یہ نعمت اور صلاحیت کیسے ضائع کی۔

یہاں حضرت شیخ علاوالدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک آدمی زمین سے دس من غلہ پیدا کرتا ہے اس پیداوار اور اس کی ضمنی پیداوار سے انسانوں، حیوانوں اور پرندوں کے علاوہ ڈورڈھنگر بھی مستفید ہوتے ہیں اگر ایک سال اس کی سستی کی وجہ سے ایک من کم پیدا ہو تو کل قیامت کے دن پوچھا جائے گا اور اس ایک من غلے کی کم پیداوار کے نتیجے میں محروم رہنے والے کل قیامت کے دن اس کا گریبان پکڑیں گے۔

اس لیے ہمارے اہل علم ودانش کے لیے بہترین موقع ہے کہ وہ اپنی تحریری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مختلف موضوعات پر لکھیں اور عوام کی راہنمائی کریں بزرگوں کی عربی وفارسی اور ترکی زبانوں میں موجود کتابوں کا اردو/انگریزی میں ترجمہ کریں اور ان کی اشاعت کا اہتمام کریں۔ بصورت دیگر کل کی جوابدہی کے لیے تیار رہیں۔



القرآن

تفسیر نجم القرآن

حضرت شیخ علاوالدولہ سمنانی ؒ

ترجمہ: مولانا علی محمد ہادی

گزشتہ سے پیوستہ

(اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ کیاوہ کہتے ہیں کہ تُو شاعر ہے؟ جس کی حادثاتی موت کا ہم انتظار کرتے ہیں۔)

تفسیرِ بطن: یعنی منافق صفت کافر قوتیں کہتی ہیں کہ تُو ماضی کے شعراء کی طرح ایک شاعر ہے، گردشِ زمانہ سے مر مرا کر ختم ہو جائے گا، تیرا کوئی کامیاب مستقبل تیرے ہاتھ میں نہیں، لہذا وہ کہتی ہیں ہمیں چاہیے اس کی کسی بات کی طرف توجہ دیں اور نہ ہی اپنی خواہشاتِ نفس، چاہتیں، باپ دادا کا طریقہ اور ہوا وہوس کی پیروی ترک کریں۔ لہذا اے لطیفۂ حقیہ (محمد ﷺ)!

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾

کہہ دے (تم میری موت کا) انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

تفسیرِ بطن: یعنی میں اس بات کا منتظر ہوں کہ موت اچانک آ جائے، ناگہاں امرِ خداوندی پہنچ جائے، تمہاری آنکھوں سے پردے ہٹا دیے جائیں اور تم کہنے لگو کہ:

رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝ (السجدۃ:۱۲)

اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن بھی لیا پس ہمیں واپس کر دے تاکہ ہم نیک کام کریں۔ اب ہم بے شک یقین والے ہیں۔ تو قدرتِ حق کی جانب سے تمہیں یوں جواب ملے گا:

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ (المومنون:۱۰۸) اسی میں ذلیل ہو کر رہو مجھ سے تم بات نہ کرو۔

اَمۡ تَاۡمُرُهُمۡ اَحۡلَامُهُمۡ بِهٰذَاۤ اَمۡ هُمۡ قَوۡمٌ طَاغُوۡنَ ﴿۳۲﴾

کیاان کی عقلیں ان کو یہی سکھاتی ہیں؟ یا یہ سرکش قوم ہے؟

تفسیرِ بطن: یعنی اے جھٹلانے والی کافر قوتو! کیا تمہاری عقلیں تمہیں سکھاتی ہیں کہ تم اہلِ حق کا انکار کرو اور جو وہ سچی اور حق بات کرتے ہیں ان کو جھٹلادو؟ یا یہ کہ اہلِ حق کا انکار کرنے والی یہ سرکش قوتیں وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ سے اس بنا پر نکال باہر کیا ہے کہ ان کی نفسانی ہوا و ہوس کی قوتیں آلائشِ باطلہ سے آلودہ ہیں۔

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلۡ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۳﴾

کیا وہ کہتے ہیں کہ (تُو) یہ قرآن خود بنالایا ہے؟ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) وہ (خود) ایمان نہیں لاتے۔

تفسیرِ بطن: کیا منکر قوتیں یہ کہتی ہیں کہ ان الہامی واردات کو تُو نے ہی اپنی فصیحانہ صلاحیت سے منظوم کیا ہے، خود اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے اور اپنے ساحرانہ بیان سے سامعین کے دلوں پر جادو کا اثر کیا ہے؟ تاکہ وہ بھی تیرے پیروکار ہوں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ اہلِ حق واضح وارداتِ حق کے تحت جو حق بات کرتے ہیں، ان کو وہ مانتے نہیں۔ ان سے تُو کہہ دے کہ:

فَلۡيَاۡتُوۡا بِحَدِيۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ كَانُوۡا صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۴﴾ اگر وہ سچے ہیں تو وہ کوئی اس جیسی بات لے آئیں۔

تفسیرِ بطن: یعنی اے قالبی و نفسانی ناپاک قوتو! اگر تم یہ دعویٰ کرتی ہو کہ جس چیز کی خبر لطیفۂ حقیہ (حضرت محمد ﷺ) طور کی حقیقت، قبروں سے جی اٹھنے کے بعد بھی کھلے ورق پر لکھے ہوئے نقش کی بقا، بیت المعمور اور سقفِ مرفوع میں عیش و نعمت کا حصول اور کھولتے سمندر میں دردپانے کے بارے میں دے رہا ہے، انہیں اس نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو تو تم بھی ایسی ہی بات بنا کر پیش کرو۔

اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَيۡرِ شَىۡءٍ اَمۡ هُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾ کیا وہ یونہی بن کسی چیز کے پیدا ہوئے؟ یا وہی خالق ہیں؟

تفسیرِ بطن: یعنی اے کافر قوتو! کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم بغیر کسی خالق کے یونہی پیدا ہوئی ہو یا تم آپ اپنے پیدا کرنے والی ہو؟

اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ ۚ بَلۡ لَّا یُوۡقِنُوۡنَ ﴿ؕ۳۶﴾ کیا آسمانوں اور زمینوں کو انہوں نے پیدا کیا؟ بلکہ وہ یقین نہیں جانتے۔

تفسیرِ بطن: "اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ" یعنی کیا تم نے اپنی روحانیت کے آسمانوں اور بشریت کی زمین کو خود پیدا کیا ہے؟ تم تو اپنے اوپر سے مکھیاں بھی نہیں اڑا سکتے اور نہ خود کو کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہو اور نہ نقصان سے بچا سکتے ہو، تو بھلا تم کیوں کر اپنے خالق آپ ہو سکتے ہو اور کیوں کر اپنی روحانیت کے آسمانوں اور بشریت کی زمین کو پیدا کر سکتے ہو؟

"بَلۡ لَّا یُوۡقِنُوۡنَ" چونکہ ان کی غفلت کا پردہ بڑا ہی سخت ہے اور ان کی جہالت کا حجاب انتہائی دبیز ہے اس لیے وہ ان معارف پر یقین نہیں کرتے۔ ان کو یہ علم نہیں کہ یہ معارف حق تعالیٰ کی خاص عطائیں ہیں جن کے بارے میں الہام کے بغیر لب کشائی کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔

اَمۡ عِنۡدَہُمۡ خَزَآئِنُ رَبِّکَ اَمۡ ہُمُ الۡمُصَۜیۡطِرُوۡنَ ﴿ؕ۳۷﴾

کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں یا وہی داروغہ ہیں؟

تفسیرِ بطن: "اَمۡ عِنۡدَہُمۡ خَزَآئِنُ رَبِّکَ" (کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں) کہ وہ جسے چاہیں دے دیں اور جس سے چاہیں چھین لیں؟

"اَمۡ ہُمُ الۡمُصَۜیۡطِرُوۡنَ" کیا انہی کی رب کے معارف و دقایق کے خزانوں پر ڈیوٹی لگی ہوئی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں اور جیسا چاہیں تصرف کر لیں؟

اَمۡ لَہُمۡ سُلَّمٌ یَّسۡتَمِعُوۡنَ فِیۡہِ ۚ فَلۡیَاۡتِ مُسۡتَمِعُہُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿ؕ۳۸﴾

کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر) وہ (غیب کی باتیں) سن آئیں؟ تو چاہیے کہ ان کا سننے والا کوئی روشن سند لے آئے۔

تفسیرِ بطن: "اَمۡ لَهُمۡ سُلَّمٌ یَّسۡتَمِعُوۡنَ فِیۡهِ" یعنی کیا ان کی کوئی ایسی صلاحیت واستعداد ہے جس کے

ذریعے وہ حق تعالیٰ سے چوری چھپے (غیب کی باتیں) سن لیں؟

"فَلۡیَاۡتِ مُسۡتَمِعُهُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ" یعنی اگر کسی کے لیے یہ ممکن ہو کہ وہ اپنی صلاحیت و اختیار سے سیڑھی لگادے اور حقیقت کے معارف کو حق تعالیٰ سے یا غیبی لطائف کو غیب والوں سے سن لے اور اس کو ایسے حقائق و معارف لانے کی قدرت ہو تو وہ اپنے اس دعوٰی کے ثبوت و صداقت کے لیے کوئی واضح برہان اور فیصلہ کن حجت پیش کرے۔ یعنی جس حکمت کو ہم لطیفۂ حقیّہ (حضرت محمد ﷺ) کی طرف وحی کر رہے ہیں ایسی ہی حکیمانہ تشریح وہ بھی پیش کرے۔

عالم جمع و تفرقہ کے مدّوجزر

اَمۡ لَهُ الۡبَنٰتُ وَ لَكُمُ الۡبَنُوۡنَ ﴿۳۹﴾ کیا اس کے ہاں صرف بیٹیاں اور تمہارے ہاں بیٹے ہیں؟

تفسیرِ بطن: یعنی ہوا و ہوس سے ماؤف اور نفسانی خواہشات سے آلودہ روحانی قوتیں یہ کہتی ہیں کہ قوائے فاعلہ تو ان کے ہیں اور قوائے قابلہ لطائف کے۔ ان کو یہ پتہ نہیں کہ سارے قوٰی اس لطیفہ کے ہیں جس کا فیضان حق تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے اور جو عالم تفرقہ میں بحرِ موجودات کے چڑھاؤ کے وقت نکل کر ذراتِ عالم میں سے ہر ہر ذرہ کو پہنچ چکا ہے، پھر عالم جمع میں بحرِ موجودات کے اتار کے وقت انہیں اکٹھا کر لیا گیا ہے۔ پس جن قوٰی کو تم اپنے اندر پاتے ہو یہ وہ ہیں جو بحرِ موجودات کے چڑھاؤ کے دوران تمہارے اندر ودیعت ہوئے ہیں۔ انہی قوٰی کی بناپر تمہارا قیام وبقا ہے۔

اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ﴿۴۰﴾ کیا تُو ان سے مزدوری مانگتا ہے؟ تو وہ تاوان تلے بوجھل ہیں۔

تفسیرِ بطن: کیا لطیفۂ مرسلہ ان سے راہِ حق کی ہدایت دینے والے معارف وواردات کے ارسال پر کوئی اجرت مانگتا ہے؟ (حالانکہ اگر وہ ایسا کرے تو) جس اجرت کا وہ تقاضا کرے وہ تم پر گراں ہو جائے اور تم اس بات کو قبول کرنے سے انکار کرو۔

اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ﴿۴۱﴾ کیا ان کے پاس غیب ہے کہ وہ لکھ لیتے ہیں؟

تفسیرِ بطن: یعنی کیا نفسانی خواہشات سے آلودہ اور طبعی ہوا وہوس سے مانوس روحانی قوتیں غیب کا علم جانتی ہیں جس سے وہ غیبی سرگزشت لکھ لیتے ہیں اور جس کی بنا پر وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ لطیفۂ مرسلہ اپنے خودساختہ راستے

کی جانب انہیں ابھار ابھار کر محض اس لیے رہنمائی کر رہا ہے کہ اس کے پیروکاروں کی تعداد زیادہ ہو؟

اَمۡ يُرِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ؕ فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هُمُ الۡمَكِيۡدُوۡنَ ﴿۴۲﴾

کیا یہ کچھ داؤ کرنا چاہتے ہیں؟ سو جو کافر ہیں وہی داؤ میں آتے ہیں۔

تفسیرِ بطن: "اَمۡ يُرِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا" یعنی ہوا وہوس سے مانوس اور آلودہ روحانی قوتیں حق تعالیٰ سے فیضان ہونے والے لطیفہ کے خلاف حسد، نادانی اور وقتی خواہشات کے غلبہ کی بنا پر چال چلتے ہیں اور ان کو پتہ ہی نہیں کہ لطیفۂ فائضہ ان پر کتنا مہربان اور شفیق ہے جس کی وجہ سے وہ اس لطیفہ اور حقیقی واردات کا انکار کرتے ہیں۔

"فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هُمُ الۡمَكِيۡدُوۡنَ" یعنی لطیفۂ فائضہ کی منکر قوتیں ہی، جو واردات ربانی کا انکار کرتی ہیں، اصل میں دھوکے کا شکار ہیں۔ جب وہ اپنی خیالی دنیا سے باہر نکلیں گے اور عالمِ غیب کی جن نعمتوں اور تکلیفوں کا لطیفۂ فائضہ نے ان سے وعدہ وعید کیا ہے، ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو وہ اپنے کفر وانکار پر کفِ افسوس ملیں گے، لیکن اس حسرت سے ان کو دائمی عذاب کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ لطیفۂ فائضہ کے طفیل ان کو جو اختیار اور قوت ملی تھی، جس کے سبب انہوں نے لطیفۂ فائضہ کے خلاف داؤ چلایا اور (اللہ نے) ان کو خوب ڈھیل دے رکھی تو اس حقیقت میں وہ خود اس داؤ میں پھنس گئے ہیں۔

اَمۡ لَهُمۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۴۳﴾

کیا ان کے واسطے اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے، جو شریک وہ بناتے ہیں، اس سے اللہ پاک ہے۔

تفسیرِ بطن: "اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ" یعنی وہ کہتے ہیں کہ لطیفۂ فائضہ کا معبود اور ہے اور ہمارا معبود کوئی اور ہے وہ ہمیں وہی طریقہ سکھاتا ہے جس پر ہم گامزن ہیں۔

"سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ" بے شک اللہ کسی شریک سے منزہ، نظیر و شبیہ سے مقدس اور ملک و ملکوت میں کسی

برابر و مقابل کے ہونے سے برتر ہے۔ ملک و ملکوت اسی کے دستِ قدرت میں ہے جو کچھ ان میں ہے مکمل اسی کی ملکیت ہے۔ لاہوتی حقایق پر جبروتی رقایق جن سے دقایق اور شقایق وابستہ ہیں سب اسی کی سلطنت کے حصے ہیں۔

وَ اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾

اور اگر وہ آسمان سے گرتا ہوا کوئی ٹکڑا دیکھیں تو کہیں گے (کہ یہ) تہ بہ تہ بادل ہیں۔

تفسیرِ بطن: "وَ اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا" یعنی اگر وہ سینہ کے آسمان سے کوئی عذاب نفس و قالب میں جاگزیں روحانی قوتوں پر نازل ہوتے دیکھ لیں تو

"يَّقُوْلُوْا" ان تک پہنچنے سے پہلے ہی کہیں گے۔

"سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ" یہ تہ بہ تہ بادل اس لیے چھا گئے ہیں تاکہ ہم بارانِ رحمت سے سیراب ہوں۔

فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾

پس ان کو اپنے اس دن تک چھوڑ دیجیے جس میں ان پر بجلی کی کڑک پڑے گی۔

تفسیرِ بطن: یعنی ان کو اپنی حالت پر چھوڑ رکھیے یہاں تک کہ جس دن آنکھوں سے پردہ ہٹ جائے گا اور وہ کیفرِ کردار کو پہنچ جائیں گے۔ اس عذاب کا وہ دیکھتی آنکھوں معائنہ کریں گے۔ عذاب کی ہیبت سے وہ بے ہوش ہوں گے مگر کوئی ان کی فریاد سننے والا نہ ہو گا۔

يَوْمَ لَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اس دن ان کا داؤ کچھ بھی ان کے کام نہیں آئے گا اور نہ ان کو کوئی مدد ملے گی۔

تفسیرِ بطن: کیونکہ انہوں نے ہمارے عطا کردہ جسمانی اعضاء و جوارح کو بے کار اور روحانی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا اور انہیں ابدی زندگی کے لیے اخروی نعمتوں کی تحصیل کی بجائے عارضی زندگی کے لیے دنیوی آلائشوں کے کمانے میں گنوا دیا، انہی آلات اور صلاحیتوں کے ذریعے انہوں نے (ناک کی) نکیل، گلے کا طوق اور ہمیشہ رہنے والے دردناک عذاب کو مول لیا ہے لہٰذا ان کا کوئی فریاد رس ہو گا نہ مددگار۔

ظالموں کا عذاب

وَ اِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور بے شک ان لوگوں کے واسطے جنہوں نے ظلم کیا، اس کے علاوہ عذاب ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تفسیرِ بطن: ''اِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا'' یعنی وہ قوتیں جنہوں نے لطیفۂ حقیہ پر ظلم کیا اور نفس کی پاک وصاف ضروریات سے اسے محروم رکھا ''عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ'' یہ عذاب اس وجہ سے ہو گا کہ ان کو علم ہے کہ لطیفۂ فائضہ تمام احوال میں ان کے ساتھ ساتھ ہے، ان کا حافظ و نگہبان ہے اور ان (کے ہر عمل سے) آگاہ ہے، مگر انہوں نے اس کی خدمت میں کوتاہی کی، اس سے بڑی عیاری کی اور واجبی حق سے اسے محروم رکھا۔ ظالم و کافر قوتوں کو قیامت کے دن یہ سخت ترین عذاب ہو گا کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ انہوں نے کیا گنوایا ہے اور کیا کوتاہی کی ہے۔ اس کی تلافی کے لیے اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ وہ اپنی اس کوتاہی کو کبھی بھول نہیں سکیں گے۔

''وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ'' یعنی اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ آج جو وہ کھا رہے ہیں کل قیامت کے دن ان کے لیے وبالِ جاں بنے گا، کیوں کہ آخرت کے معاملے میں ان کی جہالت کا پردہ دبیز ہے، اخروی لذات کو دیکھنے کے باب میں ان کی نظر کوتاہ ہے، ان کی ساری ہمت دنیوی خواہشات سے بندھی ہوئی ہے اور ان کے ظلم و زیادتی کے پردوں کی کثافت ان کے ناپاک وجود سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔

لطیفۂ حقیہ سے خصوصی خطاب

وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾

اپنے پرودگار کے حکم سے صبر کر اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کر جس وقت تُو کھڑا ہو۔

تفسیرِ بطن: "وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ" (یعنی اپنے پرودگار کے حکم کے واسطے صبر کر) اے صاحب لطیفۂ حقیہ!

"فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا" تُو ایسی جگہ پر ہے جہاں سے ہم تجھے دیکھ رہے ہیں اور تُو ہمیں پیارا ہے۔

"وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ" یعنی اسے شریک سے پاک گردانیے اور یقین جانیے کہ تیری تسبیح و تحمید اس کی دی ہوئی توفیق کی بدولت ہے۔ تُو اس شخص کی طرح حمد بیان کر جو اس کی حمد ادا کرنے سے عاجز ہے تاکہ تیری یہ عاجزی اور انکساری تیرے رب کو پسند آئے۔

"حِيْنَ تَقُوْمُ" (یعنی جس وقت تُو کھڑا ہو) عبودیت کی چوکھٹ پر۔

وَ مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

اور رات کے کچھ حصہ میں اس کی تسبیح بیان کر اور تاروں کے پیٹھ پھیرتے وقت۔

تفسیرِ بطن: "وَ مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ" یعنی جب تسکینِ خاطر کا تجھ پر نزول ہو جائے تو اس وقت اپنے رب کی پاکی بیان کر تاکہ تجھے وہ ملکِ حریّت میں داخل کر کے کرامت و بزرگی کے تخت پر بٹھادے۔

"وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ" یعنی جب لطیفۂ حقیہ کا چمکدار ستارہ نکلنے پر دیگر لطائف کے ستارے پیٹھ پھیر کر چھپ جائیں۔

وجہِ الٰہی کے سورج کا طلوع

نیز وجہِ الٰہی کے سورج کے طلوع ہونے پر جب (تمام لطائف کے) ستارے ماند پڑ جائیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط (القصص:۸۸) وجہِ الٰہی کے سوا ہر چیز فانی ہے۔

لہٰذا سالک کو چاہیے کہ جب وجہِ الٰہی کا ظہور ہو جائے تو اپنی زبان سے اس کی تسبیح بیان کرے اور اس کے وجود بر حق کے سوا کسی بھی وجود کے اثبات سے احتراز کرے، کیونکہ اس مقام پر ذاتِ حق کے علاوہ کسی اور وجود کو بھی ثابت کرنا واقعی شرک ہے۔ روحانی قوٰی کا چھپ جانا ہی جذبہِ حق کے طور پر وجہِ الٰہی کے سورج کے طلوع ہونے کی ٹھوس دلیل ہے۔

دائرے سے باہر

۱۔ وہ راز جس کی وجہ سے قالبی، نفسی، قلبی، سری، روحی اور خفی لطائف محلِ قسم ٹھہرے۔

۲۔ ملکوتی قسم میں" البحر المسجور " کا ذکر لطائفِ قالبیہ، قلبیہ، سریہ، روحیہ اور خفیہ کے بعد کرنا۔

۳۔ قسمِ قلب کو سرّ کی لڑی میں پرونا۔

۴۔ سورۃ ق والقراٰن المجید میں قلب کے قاف کی قسم اندراجی ہونا۔

۵۔ وہ خصوصیت جس کی بنا پر لطائف خمسہ میں سے لطیفۂ قلبیہ اور لطیفۂ حقیہ کی ایک ساتھ قسم کھانا اور

۶۔ سورۃ ق اور سورۃ نجم میں ان دونوں لطیفوں کی الگ الگ قسم کھانا۔

قرآن کی حدود میں سے ہیں کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی ملکوتی رائے سے حد قرآن کی تفسیر کرے، کیونکہ حد قرآن کا تعلق عالم جبروت کے اسرار سے ہے اور مطلع قرآن کا تعلق عالم لاہوت کے اسرار سے ہے۔ اس سورت میں جن تفسیری فوائد کی جانب میں نے اشارہ کیا ہے وہ بطن قرآن میں سے ہیں جن کا جاننا سالک کے لیے ضروری ہے تاکہ راہ سلوک طے کرنا اس کے لیے ممکن ہو اور شہنشاہ کل کی جانب اس کی توجہ صحت سے ہم کنار ہو۔

تفسیر قرآن کی لازمی شرط

۱۔ قرآن کے ظاہر کی تفسیر کرنے والے مفسر پر واجب ہے کہ سماع کے بغیر تفسیر نہ کرے۔

۲۔ بطنِ قرآن کی تفسیر کرنے والے محقق کو ضروری ہے کہ وہ بغیر الہام کے تفسیر نہ کرے۔

۳۔ حدِ قرآن کی تفسیر کرنے والے موحد کو چاہیے کہ وہ اِذن کے بغیر تفسیر نہ کرے اور

۴۔ سرِ ذات سے آگاہ فرد کے حق میں واجب ہے کہ وہ مطلعِ قرآن کے باب میں نہایت محتاط رویہ اختیار کرتے ہوئے محض گونگا بنا رہے۔

دعائیہ

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ۔

اللہ ہی تو ہے جس سے مدد مانگی جائے اور اسی پر میرا بھروسہ ہے

جاری ہیں۔



القرآن

تفسیر جامع التنزیل والتاویل

شیخ حسام الدین بدلیسی نور بخشیؒ

ترجمہ: مولانا علی محمد محمدیؔ منہاجین

گزشتہ سے پیوستہ

رکوعھا ۱ سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَکِّیَّةٌ اٰیاتھا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فاتحہ الکتاب (سورۃ فاتحہ) مکی اور مدنی سورۃ ہے۔ یہ سورۃ تمام کتب الٰھیہ اور آسمانی صحائف پر حاوی اور (ان کے فیوض وبرکات) شامل ہونے کی بنا پر شرف ومنزلت کی حامل ہے۔ جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کا فرمان ہے:

اِنَّ جَمِیْعَ مَا فِی الْکُتُبِ الْاِلٰھِیَةِ فِی الْقُرْآنِ وَ جَمِیْعَ مَا فِی الْقُرآنِ فِی الْفَاتِحَةِ الْکِتَابِ وَ کُلُ مَا فِیْ فَاتِحَةِ الْکِتَابِ فَھُوَ فِیْ بِسْمِ اللّٰهِ وَکُلُّ ما فِیْ بِسْمِ اللّٰهِ فَھُوَ فِیْ بَاءِ بِسْمِ اللّٰهِ فَکُلُّ مافِی بَاءِ بِسْمِ اللّٰهِ فَھُوَ فِی نُقْطَةِ بَاءِ بِسْمِ اللّٰهِ وَاِنَا النُّقْطَةُ تَحْتَ الْبَاءِ

بیشک جو کچھ (اسرار ورموز اور معارف) کتب الٰھیہ میں ہیں وہ قرآن مجید میں ہیں اور جو کچھ قرآن مجید میں ہیں وہ سورہ فاتحہ میں ہیں اور جو سورۃ فاتحہ میں ہیں وہ بسم اللہ میں ہیں اور جو کچھ بسم اللہ میں ہیں وہ بسم اللہ کے باء میں ہیں اور میں باء کے نیچے کا نقطہ ہوں۔

یہی سب سے پہلی سورۃ ہے جو مکمل نازل ہوئی اور سورۃ اقراء کی (ابتدائی) پانچ آیتیں سب سے پہلے نازل کی گئیں تھیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ (اللہ کے نام سے شروع)

اس (اللہ) نے اپنی محبت ذاتیہ کی بناء پر اپنی ذات (کی معرفت) کے لئے اپنی ذات کو ظاہر کر کے اپنی کتاب تجلّیات کا آغاز فرمایا۔

الرَّحۡمٰنِ (جو نہایت مہربان)

وہ نہایت مہربان ہے جس نے اپنے ان اسماء وصفات کی تجلی ممکنات کی ماہیات و حقائق پر ڈالی جو وجودات کے عطاؤں کا سرچشمہ ہیں۔

الرَّحِيۡمِ (ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے)

جس نے اس (صفت) کو دھرایا جس پر وہ اس وقت بھی موصوف تھا جب اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اور اب بھی اسی صفت سے موصوف ہے جس صفت کے ساتھ وہ پہلے موصوف تھا۔

یہ (بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ علماء کی ایک جماعت اور فقہاء کے ایک گروہ کے نزدیک سورہ فاتحہ کا حصہ ہے۔

جب کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسے سورۃ فاتحہ کا حصہ نہیں سمجھتے۔

محمد الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

مَا بَيۡنَ دفَتَيۡنِ كَلَامُ اللّٰهِ فِيۡهِمَا الۡبِسۡمَلَة، وَعَلَيۡهِ الۡاِجۡمَاعَ

دونوں جلدوں کے درمیان جو کچھ ہے وہ کلام اللہ (قرآن مجید) ہے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی دونوں جلدوں میں ہے اسی پر اجماع ہے۔ جب مسلمانوں کا قرآن کو غیر قرآن سے مجرد اور الگ رکھنے کے شدت اہتمام کے باوجود تمام علماء اور عام فقہاء کا بسم اللہ کا قرآن مجید میں ثبت کرنے پر اجماع راسبت دلیل ہے کہ یہ قرآن ہی کا حصہ ہے۔

یہ سورۃ سات آیتوں پر مشتمل ہے یہی وجہ ہے کہ اسے سبع المثانی کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اس میں بسم اللہ بھی شامل ہے۔ اس پر احادیث صحیحہ اور آثار صریحۃ شاہد ہیں۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَلَا اُخْبِرُكَ بِاٰيَةٍ. لم تنزل علیٰ اَحَدٍ بَعْدَ. سُلَيْمَان بن دَاوٗدَ (علیه السّلام) فَقُلْتُ بلی یا رسول اللہ صلی اللہ علیه و اٰله وسلّم قال: بِاَيِّ شَيْئٍ يُفْتَحُ الْقُرْآن اِذا اِفْتَتَحْتِ الصَّلٰوة (فَقُلْتُ) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيم. قَالَ هِيَ هِيَ

کیا تمہیں ایک ایسی آیت کے بارے میں آگاہ نہ کرو؟ جو حضرت سلیمان بن داوٗد علیہما السلام کے بعد کسی (پیغمبر) پر نازل نہیں ہوئی۔ سو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیوں نہیں (آپ ﷺ نے مجھے آگاہ فرمایا) آپ ﷺ نے فرمایا جب نماز شروع ہوتی ہے تو کس چیز سے قرآن (کی قرأت) کا آغاز کیا جاتا ہے تو میں نے عرض کیا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہی ہے یہی ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ فاتحہ اور (سورۃ توبہ کے علاوہ) تمام سورتوں کی ایک مکمل آیت ہے اور سورۃ النمل کی آیت کا حصہ ہے۔

حضرت ابو جعفر الملاطی، حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد گرامی امام موسیٰ کاظم سے اور آپ اپنے والد گرامی امام جعفر الصادق سے آپ نے فرمایا:

اِجْتَمِعَ اٰل محمد علی جهرِ بسم الله الرحمن الرحيم وَعَلٰى اَنْ يقضوا مافاتهم من الصلوة الليل بالنهار و علی ان لَا يقولوا فی ابو بکر و عمر رضی الله عنهم الّا اَحْسَنَ القولِ

آلِ محمد ”علیہم السلام“ کا بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز میں پڑھنے، رات کو فوت شدہ نماز (تہجد) کی دن میں تلافی کرنے اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں بہترین بات ہی کرنے پر اجماع ہے۔

میں نے امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے جہراً پڑھنے سے متعلق دریافت کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اَحَقَّ بِجَهَرِبِهٖ الْاٰيَة التی ذکر ھا الله (وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا۝۴۶) (سورۃ الاسراء: آیت ۴۶)

(جاری ہے)

فقہ

شرح فقہ احوط

مفتی علی محمد ہادی

گزشتہ سے پیوستہ

(مطب یہ ہے وضو میں دل کے ساتھ ساتھ زبان پر نیت کے الفاظ جاری ہو جائے تو یہ درست سمجھی جائے گی لیکن بہتر ہونے کا حکم نہیں ہے۔ گویا کہ نیت کی کل چار صورتیں ہوئی۔)

وَغَسْلُ الْوَجْهِ وَهُوَ مِنْ بِدَايَةِ الْجَبْهَةِ اِلٰى نِهَايَةِ الذَّقَنِ وَمَابَيْنَ الْاُذُنَيْنِ مِنْ مَنْبَتِ شَعْرِ اللِّحْيَةِ اِلٰى مَنْبَتٍ اٰخَرَ بِاَيِّ طَرِيْقٍ تُرِيْدُ غَسْلَهُ بِيَدٍ اَوْ بِيَدَيْنِ اَوْ بِاِفَاضَةِ الْمَاءِ مِنْ وِّعَاءٍ اَوْغَيْرِهٖ وَاعْلَمْ اَنَّ تَخْلِيْلَ اللِّحْيَةِ لِاِسْتِيْعَابِهَا فَاِنْ تَيَقَّنْتَ بِالْاِسْتِيْعَابِ فَلَاحَاجَةَ اِلٰى تَخْلِيْلِهَا

منہ کا دھونا

یہ دھونا (لمبائی میں) پیشانی کی ابتداء سے لے کر ٹھوڑی کی انتہا تک اور (چوڑائی میں) دونوں کانوں کے درمیان ایک جانب داڑھی کے بال اگنے کی جگہ سے دوسری جانب داڑھی کے بال اُگنے کی جگہ تک جس طریقہ سے دھونا چاہے، جائز ہے خواہ ایک ہاتھ سے یا دونوں ہاتھوں سے یا کسی برتن سے پانی بہا کر یا کسی اور طریقہ سے دھوڈالے۔ جان لے کہ داڑھی کا خلال کرنا دھونے میں اس کو گھیر لینے کے لیے ہے۔ سو اگر تجھے داڑھی میں پانی پوری طرح پہنچ جانے کا یقین ہو جائے تو اس کا خلال کرنے کی حاجت نہیں۔

تشریح

واضح رہے کہ اس عبارت کے تین اہم حصے ہیں۔

(الف):وضو کا دوسرا واجب حکم

وضو میں دوسرے واجب حکم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وَغَسۡلُ الۡوَجۡهِ اس کا عطف اَلنِّيَّةُ پر ہے۔ پھر یہ اپنے مابعد آنے والے معطوفات سے مل کر " وَجَبَتۡ" کا فاعل

بنتا ہے۔یعنی وضو میں نیت کے بعد دوسرا واجب حکم منہ کا دھونا ہے۔وضو میں منہ کا دھونا واجب ہونے پر ساری اُمت مسلمہ کا اتفاق ہے۔اس کا وجوب قرآن و سنت اور اجماع اُمت سے ثابت ہے۔

(ب) چہرے کی حد

جب وضو میں منہ کا دھونا واجب ہے جس کی حد بتانا ناگزیر ہوا چناچہ فرمایا:

یہ دھونا پیشانی کے ٹھوڑی کی انتہا تک اور دونوں کانوں کے درمیان ایک جانب داڑھی کے بال اُگنے کی جگہ سے لے کر دوسری جانب داڑی کے بال اُگنے کی جگہ تک ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے " فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ "فرمایا تو ہر بندۂ مومن پر وضو میں اپنے جسم کے متذکرہ بالا حد بندی میں شامل پورے حصے کو دھونا لازم اور واجب ہوا۔اس حصے کو انگریزی face کہتے ہیں یہ حد بندی فطری ہے اس کے علاوہ وضو میں منہ کے دھونے کے لیے پیائش کا کوئی شریعی آلہ موجود نہیں ہے۔اگر کوئی غسل وجہ کی پیائش کے لیے ہاتھ کے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کے درمیانی فاصلے کو حد بتاتا ہے تو یہ غیر فطری، غیر منطقی اور مضحکہ خیز بات ہے۔

وضو میں منہ کے دھونے سے متعلق طولاً و عرضاً حد بندی میں مسلمان مجتہدین کے مابین کوئی قابل اعتبار اختلاف نہیں پایا جاتا ہے اس لیے اس پر زیادہ بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

(ج) غسل وجہ کی کیفیت

قرآن و سنت میں غسل وجہ کی کیفیت مطلق رکھی ہے۔ لہٰذا اسے کسی خاص انداز میں مقید کرنا جائز نہیں ہے۔ قرآن نے صرف اتنا بتایا:

فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ: لہٰذا منہ جس طریقہ سے بھی دھولے، صحیح ہے۔ چاہے ایک ہاتھ سے دھولے یا دونوں ہاتھوں سے دھولے یا ہاتھ کا استعمال کیے بغیر کسی برتن سے منہ پر پانی بہائے یا منہ کو پانی میں ڈبو دے۔ قرآن و سنت کے مطابق حکم پر من و عن عمل کے لیے ان تمام صورتوں کو جائز سمجھنا لازم ہے۔ کوئی مجتہد ذاتی اجتہاد سے قرآنی عام حکم خاص کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی مطلق حکم کو مقید کر سکتا ہے۔

درج بالا وضاحت اور داڑی میں خلال کے مسئلہ سے ''غَسۡلٌ'' کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ عربی میں جب ''غَسَلۡتُ الشَّيۡءَ غَسۡلًا'' کہا جاتا ہے تو اس سے یہ مفہوم لیا جاتا ہے۔

''اَسَلۡتُ عَلَيۡهِ الۡمَآءَ فَاَزَلۡتُ دَرَنَهٗ'' یعنی میں نے اس پر پانی بہایا اور اس کی میل کچیل صاف کر دی۔

الغرض دھونے کے مفہوم میں ہاتھوں کا پھیرنا، نچوڑنا وغیرہ داخل نہیں ہے۔ کسی شئ پر پوری طرح پانی اس طرح بہایا کہ جو میل ہٹانا مقصود ہے وہ دور ہو جائے، غسل کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآنی حکم '' فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ '' تم اپنے منہ کو دھولو کے تحت منہ کا دھونا فرض ہوا۔ گھنی داڑھی ہونے کی صورت میں خلال کا مسئلہ درپیش ہوا کیونکہ گھنی داڑھی ہونے کی صورت میں پانی چہرے کے ہر حصہ تک نہیں پہنچ جاتا۔ غَسل اور عضو مغسول دونوں کے مفہوم پر غور کرنے کے بعد تخلیل کا مسئلہ از خود حل ہو جاتا ہے کہ اگر منہ کو دھونے میں گھیر لینے کا یقین ہو جائے تو اس میں خلال کرنے کی حاجت نہیں ہے اور اگر خلال کے بغیر پانی پہنچنے کا یقین نہ ہو جائے تو اس میں خلال کرنا واجب ہو گا تاکہ واجبی حکم منہ کے دھونے میں گھیر لینے کا یقین ہو جائے۔

وَغَسۡلُ الۡيَدَيۡنِ بِاَيِّ طَرِيۡقٍ تُرِيۡدُهٗ مِنۡ رُّؤُسِ الۡاَصَابِعِ اِلَى الۡمَرَافِقِ اَوۡ بِالۡعَكۡسِ مَعَ اِدۡخَالِ الۡمَرَافِقِ فِيۡهِ

دونوں ہاتھوں کو دھونا، جس طریقے سے چاہے کہنیوں کو دھونے میں شامل کر کے انگلیوں کے سروں سے لے کر کہنیوں تک یا اس کے برعکس کہنیوں سے لے کر انگلیوں کے سروں کی طرف دھولے۔

تشریح

اس عبارت سے حسب ذیل باتوں پر روشنی پڑتی ہے:

۱۔ وضو میں دونوں ہاتھوں کا دھونا واجب ہے۔ دونوں ہاتھوں کو دھوئے بغیر وضو نہیں ہوتا۔ یہ قرآن و سنت سے ثابت ہے اور اسی پر اُمت کا اجماع ہے۔

۲۔ چونکہ ہاتھ انگلیوں کے سروں سے لے کر کندھے کے جوڑ تک پورے عضو کو کہتے ہیں اور وضو میں اس پورے عضو کا دھونا فرض نہیں ہے۔ اس لیے قرآن و سنت دونوں میں اِلَى الْمَرَافِقِ کی غایت لائی گئی ہے۔ لہٰذا "اِلٰی" یہاں اسقاط کے لیے ہے یعنی فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ کے حکم سے مرافق (کہنیوں) سے اوپر والا حصہ ساقط ہے۔ اگر بالفرض اِلَى الْمَرَافِقِ کی غایت نہ لائی گئی ہوتی تو بغلوں تک ہاتھوں کا دھونا لازم ہوتا۔

۳۔ قرآن و سنت سے وضو میں ہاتھوں کا دھونا ثابت ہے لیکن طریق غَسل عام ہے کہ چاہے انگلیوں سے کہنیوں کی طرف دھولے یا کہنیوں سے انگلیوں کے سروں کی طرف دھوئے۔ چونکہ قرآن و سنت میں دونوں ہاتھوں کے دھونے کے لیے کوئی خاص طریقہ متعین نہیں ہے۔ کسی نص کے بغیر قرآن و سنت میں موجود مطلق کو مقید بنانا جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عامۃ الفقہآء کی طرح حضرت میر سیّد محمد نوربخش علیہ الرحمہ نے وضو میں ہاتھوں کے دھونے کا طریقہ عام رکھا کسی خاص طریق کی قید نہ لگائی۔

وَمَسْحُ الرَّاْسِ بِاَيِّ قَدْرٍ كَانَ مَرَّةً

اور جتنی مقدار پہ بھی ہو سر کو ایک مرتبہ مسح کرنا۔

اس عبارت میں وضو کے چوتھے واجب یعنی سر کے مسح کا بیان ہے۔ اس میں تین باتیں قابل غور ہیں:

۱۔ وضو میں سر کا مسح واجب ہے۔ اس کا وجوب قرآن و سنت اور اجماع اُمت سے ثابت ہے۔

مسح کے معنی "اِمْرَارُ الْيَدِ" یعنی ہاتھ پھیرنے کے ہیں یعنی سر پر ہاتھ پھیرنا وضو کے واجبات میں سے ہے۔ مسح کے مفہوم میں ہاتھ اور پھیرنا دونوں شامل ہیں۔ اگر مسح میں ہاتھ کا استعمال نہ ہو تو درست نہ ہوگا۔ اسی

طرح ہاتھ کی ہتھیلی کے بغیر انگلیوں کی پوروں سے سر کو چھولے اور کھجلی کرے تو اس سے مسح کا تحقق نہ ہو گا کیونکہ اس سے صرف " مَس " ہوا ہے مسح نہیں ہوا۔

ب) سر کی کتنی مقدار پہ مسح واجب ہے؟

جہاں وضو میں نفس مسح کے واجب ہونے پہ امت کا اتفاق ہے وہاں مقدار راس کے حوالہ سے اُمت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں حسب ذیل اقوال ہیں:۔

۱ (حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ چوتھائی سر کے مسح کو واجب کہتے ہیں۔ انہوں نے " وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ " کی آیت میں جو " بَا " ہے، اسے الصاق کے لیے قرار دیا ہے۔ لہٰذا "وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ " کا مفہوم یوں ہو گا۔ "وَاَمِرُّوۡا اَيۡدِيَكُمۡ مُلۡصَقَةً بِرُءُوۡسِكُمۡ " یعنی تم اپنے ہاتھوں کو اس طرح پھیرو کہ وہ تمہارے سروں سے چپکے ہوئے ہوں۔ لیکن جتنی مقدار پر ہاتھ کا پھیرنا واجب ہے وہ مجمل ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اس اجمال کی تفسیر پیش کرتی ہے۔ ان سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وِسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَا صِيَتِهِ وَعَلَى الۡعَمَامَةِ وَعَلَى الۡخُفَّيۡنِ۔

(رواہ مسلم جلد اول صفحہ ۱۳۴)

کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے وضو کیا تو آپ ﷺ نے اپنی پیشانی، پگڑی اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔

نیز حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلَى الۡخُفَّيۡنِ و مُقَدَّمِ رَاسِهِ وَعَلٰى عَمَامَتِهِ۔ (رواہ مسلم جلد اول صفحہ ۱۳۴)

کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے دونوں موزوں، سر کے اگلے حصے اور پگڑی پر مسح کیا۔

چونکہ سر کا اگلا حصہ اور پیشانی سر کے چوتھائی حصے کے برابر ہے۔ لہذا چوتھائی سر کا مسح واجب ہے۔

۲۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ "بِرُءُوسِکُمۡ" کی "با" کو زائد قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پورے سر کا مسح واجب ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تردید ہوتی ہے کہ اگر پورے سر کا مسح واجب ہوتا تو حضور ﷺ سر کے صرف اگلے حصے کو مسح نہ کرتے۔

نیز جن روایات میں حضور ﷺ کا طرز وضو نقل ہے اور ان میں پورے سر کا مسح کا بیان ہے ان روایات اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت کو جمع کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سر کے کچھ حصہ پر مسح کرنا واجب ہے جبکہ پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔

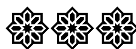
۳۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ "وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِکُمۡ" کی "با" کو تبعیض کے لیے قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ رؤس کے اوپر با تبعیض داخل ہے لہذا سر کے بعض حصہ کا مسح واجب ہے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت سے قرآن کے اجمال کی تفسیر نہیں بلکہ محتمل صورتوں میں سے ایک صورت پر عمل ثابت ہوتا ہے۔

حضرت میر سید محمد نوربخش رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو پسند کرتے ہوئے فرمایا کی جتنی مقدار پر بھی ہو سر کو ایک مرتبہ مسح کرنا واجب ہے۔

۴۔ کچھ لوگوں نے سر کے اگلے حصے کا مسح واجب قرار دیا ہے لیکن نص قرآنی سے اس کا ثبوت نہیں ملتا اور حضور ﷺ کا عمومی طرز وضو یعنی سنت جاریہ اس کے خلاف ہے۔

چونکہ آلۂ مسح ہاتھ ہے۔اس پر با تبعیضیہ داخل نہیں ہے۔عضو ممسوح سر ہے جس پر با تبعیضیہ داخل ہے لہذا ہاتھ کی پوری ہتھیلی سے سر کے کچھ حصہ کو مسح کرنا واجب ہے البتہ پورے سر کا مسح سنت ہے۔اس کا بیان وضو کے مسنون افعال میں میں عنقریب آنے والا ہے۔

(جاری ہے)



حدیث نبوی ﷺ

اولیاء اور عبادت وریاضت

غلام حسن حسنو

(نوٹ :اس عنوان سے ایک حدیث نبوی ﷺ ،اس کا اردو ترجمہ، تخریج اور تشریح پیش کی جاتی ہے۔)

رسول اللہ ﷺ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد روایت فرماتے ہیں کہ:

اَوْلِيَائِي تَحْتَ قُبَابِي لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِي

میرے اولیاء میرے قباب غیرت میں مستور ہیں انہیں صرف میں ہی جانتا ہوں۔

یہ حدیث اسی طرح اور مختلف صورتوں میں ان کتابوں میں نقل ہوا ہے۔

1. العروۃ لاھل الخلوۃ والجلوۃ ص ۴۶۳
2. شرح احوال وآثار میر سید محمد نور بخش ص ۱۸۷
3. بردالیقین ص ۴۸۷، ۴۵۱، ۴۳۵
4. مصنفات فارسی سمنانی ص ۲۳۸
5. نامہ ہائے عین القضاۃ جلد دوم ص ۳۷۰
6. کشف المحجوب ص ۷۰
7. رباب نامہ ص ۳۷
8. تذکرۃ الاولیا ص ۱۹
9. چہل مجلس ص ۲۵۷
10. آداب خلوت

11. بہجۃ الطائفۃ
12. مجموعہ رسائل سمنانی ص ۲۳۸
13. دو رسالہ ہای سمنانی ص ۱۳۸
14. بیان الاحسان لاہل العرفان
15. زین المعتقد لاہل المعتقد
16. موارد والشوارد

اس حدیث قدسی میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے اولیاء میرے دوست قباب غیرت میں پوشیدہ و مستور ہیں کوئی ایرے غیرے نتھو خیرے ان کو نہیں جان سکتے۔انہیں صرف میں جانتاہوں یا جنہیں میں ان کے بارے میں مطلع کروں صرف وہی جان سکتے ہیں۔

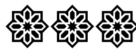
در اصل ولی اللہ ہونا ایک بہت بڑا باطنی اعزاز ہے یہ اعزاز ہر کس وناکس کو نہیں مل سکتا۔ایک تو اللہ تعالیٰ خود ایسے شخص کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتاہے اور اولیا ءخود بھی لوگوں کی نظروں سے چھپ کر رہتے ہیں وہ اپنے ایمان وعقائد اور عبادت وریاضت اور دیگر اعمال خیر وبرکات کو لوگوں کی نظروں سے چھپ کر بجالاتے ہیں نمود ونمائش سے گریز ہی نہیں کرتے بلکہ وہ اسے شرک خفی تک سمجھتے ہیں وہ اپنا حلیہ بھی عام لوگوں جیسا رکھتے اور لوگوں میں مل جُل کر رہتے ہیں۔ کبھی بھی خود کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کرتے چنانچہ ان میں اور عام لوگوں میں کوئی امتیاز ی فرق نہیں ہوتا۔اس لیے لوگ انہیں ولی کی حیثیت سے نہیں جانتے۔بلکہ اکثر وبیشتر کو یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے۔لیکن وہ اپنے وظائف اور ذمہ داریوں کو نبھاتے ہیں وہ بھٹکے ہوئے لوگوں کی راہنمائی اور سالکین کی تربیت کرتے ہیں،حاجتمندوں کی ضروریات پوری کرتے اور دین کی حفاظت کرتے ہیں فروغِ علم وعرفان کے لیے اقدامات کرتے اور لوگوں کو مختلف حوادث ومصائب اور بلاوآزمائش سے بچاتے ہیں حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی خوب پاسداری کرتے ہیں فتنہ وفساد کو مٹاتے اور حکام وقت کے ذریعے لوگوں کو امن وسکون بہم پہنچاتے ہیں۔وہ زمان ومکان کی قید سے آزاد ہوتے ہیں ان کا دل صحتمند،بیدار،گویا،شنوا ہوتے ہیں۔جنہیں صرف اہل اللہ اور صاحبان بصیرت پہچانتے ہیں جبکہ عوام الناس ان کا

مذاق اڑاتے اور ذرہ برابر انہیں اہمیت نہیں دیتے۔

حضرت میر سید محمد نور بخش اپنے ایک رسالے " رسالہ در معرفت ولی" میں افضل المرشدین ، اکمل الواصلین ، مرشد صمدانی حضرت شیخ علاؤالدولہ سمنانی سے متعلق لکھتے ہیں کہ انہیں سفر حجاز کے دوران قطب ابدال سے ملنے کا شوق پیدا ہوا جب آپ مدینۃ النبی پہنچے تو حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شفیع بنا کر عالم الٰہی کی جانب متوجہ ہوا۔جب حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو آنحضرت نے فرمایا کہ قطب ابدال " عبدالوہاب " ہے جو اس وقت مضافات ابہر کے پارسین نامی قصبے میں ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی یہ سن کر آپ واپس پارسین (سمنان خراسان ایران) آیا وہاں کے عوام وخواص نے آپ کا استقبال کیا آپ نے عبدالوہاب نامی شخص کے بارے میں دریافت کیا مگر کوئی نام ونشان نہیں ملا۔آخر میں آپ نے بہت مبالغہ کیا ایک شخص کو یاد آیا کہ وہاں کے نواح میں ایک شخص عبدالوہاب نامی ہے جسے لوگ " زردہ وہاب "کہتے ہیں جب وہ آئے جن کے ہاتھ پاؤں خاک آلود تھا اور انہوں نے لباس کہنہ پہن رکھا تھا جب شیخ کی نظر ان پر پڑی تو ان کا استقبال کیا پوری تعظیم وتوقیر کے ساتھ ان سے ملا۔انہیں اپنے ساتھ لیا اور ان کی وفات تک انہیں اپنے پاس " صوفی آباد "میں رکھا۔

اسی طرح ہم تذکرۂ اولیا کی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ جب حجاز میں ہوتے تو منٰی کی مسجد خیف میں لوگوں کے چہروں کو بغور دیکھتے اور ان میں اولیاء اللہ تلاش کرتے تھے۔

ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ لوگوں میں مستور ہوتے ہیں آج ہم اپنے درمیان موجود مشہور شخصیات کو ولی اللہ سے بھی بڑھ کر شیخِ طریقت، مرشدِ حقیقت، پیرِ کامل، غوث اعظم، قطب الاقطاب، ابدال جیسے بڑے بڑے القاب سے نوازتے اور پکارتے ہیں یہ علومِ قرآن وحدیث سے ناآشنائی، آئینِ شریعت وطریقت سے ناواقفی اور جاہلانہ اندھی عقیدت کا کرشمہ ہے۔



تراجم مخطوطات

بهجة الطائفه

حضرت شیخ عمار یاسر بدلیسیؒ

ترجمہ: مولانا علی محمد محمدی منہاجین

گزشتہ سے پیوستہ

(اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کو رات کے ایک حصہ میں سیر کرائی اور اور ان کو ایک حیات عطا فرمائی اور عبودیت میں درجہِ کمال پر فائز ہونے کی وجہ آپ ﷺ کو عبد سے موسوم کیا کیونکہ عبودیت مسکنت کا تقاضا کرتی ہے۔)

انبیاؑ کی مسکنت

جب آپ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں مسکنتِ نبوت کے علاوہ بھی ملاحظہ فرمایا تو آپ ﷺ نے اپنے رب سے انبیاؑ اور مرسلین میں مساکین کے زمرہ میں شمولیت اور ان کے ساتھ ان کی مسکنت میں الحاق کی التجا فرمائی، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِىْ مِسْكِيْنًا وَّاَمِتْنِىْ مِسْكِيْنًا [1] اے اللہ! تو مجھے مسکین زندہ رکھ اور اور مسکین کی موت عطا کر۔

جیسا کہ حضرت سلیمان بن داوود علیہما السلام کا ارشاد ہے۔

مِسْكِيْنٌ جَالِسٌ مِسْكِيْنًا مسکین، مسکین کے ساتھ ہی بیٹھا کرتا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ اپنی طرف سے متابعت کی شرط کا اظہار فرمایا جیسا کہ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ [2]

پس آپ صبر کریں جس طرح دوسرے اولو العزم پیغمبروں نے صبر کیا تھا۔

1۔ انظر المعجم المفہرس ۶:۲۲۶،تحت:سکن۔

2۔ سورۃ الاحقاف آیت ۳۵

اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کا صبر شدید مسکنت اور انکساری اختیار کرنا ہے تو گویا آپ ﷺ نے عرض کیا مجھے مسکنتِ انبیا کی سنت پر زندہ رکھ کیونکہ مسکنتِ ولایت آپ ﷺ کی امت کے لیے مخصوص ہے، آپ کے لیے نہیں، اللہ کی بارگاہ سے آپ ﷺ کے بلند و بالا مقام سے کم مرتبہ مانگنا تواضع اور عاجزی کا اظہار ہی تو ہے۔

دوسرا معنی: آپ ﷺ کا انانیت کے فتنہ سے بچنے کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ یہ لفظ انانیت (تکبر) کے فتنہ سے بچاو کا متقاضی ہے۔ اگر آپ ﷺ یہ فرماتے:

أُحشُرْهُمْ فِيْ زُمْرَتِيْ[3] ان (مساکین) کو میرے زمرے میں حشر فرما۔

تو یہ یقینا امن پانے کا قول ہو تا نہ کہ خوف و خشیت رکھنے والے کا قول، اور آپ ﷺ آمنین کے قول سے احتراز فرمایا، پس آپ ﷺ نے خائفین کی بولی اپنائی۔ یہ فرمان امن ہو تا نہ کہ خوف پیدا کرنے والا اور عصمت آمنین کے قول سے حفاظت کرتی ہے اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

اَنَا اَعْرِفُكُمْ بِاللّٰهِ وَ اَشَدُّ كُمْ لَهٗ خَوْفًا[4]

تم میں سب سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور سب سے بڑھ کر اس سے ڈرتا ہوں۔

(تیسرا معنی) اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ آپ ﷺ کی امت کا حشر آپ ﷺ کے ساتھ کرے یہ اس لیے ذکر کیا تاکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے تواضع کا اظہار ہو تاکہ وہ آپ ﷺ سے بلا کسی جھجک رشد و ہدایت حاصل کر سکیں نتیجۃً وہ یہ جانیں کہ اللہ کی بارگاہ میں مسکنت کی قدر و منزلت کیا ہے؟ تاکہ ان کے اندر مقتدی کی صفت پیدا ہو سکیں تاکہ وہ تعلیم و تفہیم کی راہ میں منتہی کے مقام سے اتر کر مبتدی کے درجہ میں تعلیم و تفہیم کریں۔؟ ورنہ حضور نبی اکرم ﷺ کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت کے لیے شفاعت فرمانے والا، ہدایت سے نوازنے والا، ان پر دنیا اور آخرت میں رووف رحیم ہیں آپ ﷺ کی شان نہیں کہ آپ ﷺ ان کے زمرے میں ہو بلکہ وہ صحابہ کرم رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے زمرے میں ہوں یہاں تک کہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام بھی آپ ﷺ کے زمرے میں شامل ہیں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔

3. انظر المعجم المفهرس ٦:٢٢٦، تحت:سکن۔

4. انظر ایضاً صوم القلب۔فصل ١٣، ص٣٣ سطر ٣

لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيًّا لَّمَا وَسَعَهُمْ اِلَّا اتِّبَاعِىْ۔ [5]

اگر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ زندہ ہوتے تو میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

اور آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

حَتّٰى اِبْرٰهِيْمُ الْخَلِيْلُ يَحْتَاجُ اِلَيَّ فِىْ ذَالِكَ الْيَوْمَ

اس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف احتیاج رکھیں گے۔

(چوتھا معنی) یہ آپ ﷺ نے فقراء کی جماعت، اصحابِ صفہ میں اہل صفوہ کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے فرمایا ہے تاکہ ان کی فقیرانہ زندگی کی خوشی میں اضافہ ہو۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے:

آپ ﷺ ایک دن اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم میں تشریف فرماتھے آپ ﷺ ان کا فقر، ان کا جہد اور اس پر ان کی قلبی خوشی کو ملاحظہ فرمایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَا اَهْلَ الصُّفَةِ فَمَنْ بَقِىْ مِنْ اُمَّتِىْ عَلٰى نَعْتِ الَّتِىْ اَنْتُمْ عَلَيْهِ فَاِنَّهٗ مِنْ رِفَاقَتِىْ فِى الْجَنَّةِ

اے صفہ والو! جس وصف اور کردار پر تم قائم ہو اس پر میری باقی امت میں سے جو بھی قائم رہے تو وہ جنت میں میری رفاقت میں ہوگا۔

یہ قیامت تک آپ ﷺ کی امت کے فقراء کے لیے شرف اور اعزاز ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے ذریعے عزت بخشی اور انہیں اپنی ولایت و دوستی کرامت عطا فرمائی اور انہیں اپنی معرفت کے سمندر سے سیراب فرمایا اور اپنی مخلوق میں اپنی محبت سے مخصوص فرمایا سو اپنی بارگاہ میں ان کی عزت کی خاطر اس کے ذمہ ان کی کرامت کے لیے فقر کے حال کی عظمت بیان فرمایا اور انہیں فقر کی معرفت عطا فرمائی اور رازِ فقر کی معرفت سے نقاب کشائی فرمائی تو فقر ان کا شعار اور کردار بن گیا۔

فصل ۶: فقر اور غنیٰ کا بیان

درحقیقت فقر ہی میں غنیٰ (تونگری، دولت مندی) کا راز ہے سو جو خوش نصیب ماسوا اللہ سے مستغنی و بے نیاز ہو جائے وہ اللہ کی طرف فقر اختیار کرتا ہے اور جو اللہ کی طرف فقر و احتیاج اختیار کرتا ہے تو اللہ کے سوا کسی

5۔ قارن بما ورد فی سنن الدارمی، تحقیق عبداللہ ھاشم یمانی مدنی۔ ۱:۹۵، حدیث رقم ۴۴۱۔

چیز کا محتاج نہیں ہوتا اور وہ اللہ ہی کی خاطر ماسوااللہ سے مستغنی ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ سے غیرِ حق مانگنے سے کنارہ کش ہوتا ہے اس لیے کہ اس شخص کے لیے جو اللہ کی طرف مقامِ فقر پر فائز ہوتا ہے تو اس کے لیے اللہ سے غیر اللہ مانگنا جائز نہیں کیونکہ یہ اللہ سے غیر اللہ مانگنا غنی باللہ کے لیے ہی سزاوار ہے۔

غنی باللہ: اللہ سے غیر اللہ کیوں مانگتا ہے؟

پس غنی باللہ کے لیے اللہ کی طرف سے اذن موجود ہونے کی وجہ سے اللہ کی مخلوق کی مصالح و بھلائی کے لیے اللہ کی بارگاہ سے غیر اللہ مانگنا جائز ہے۔

جہاں تک اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے والا اگر اللہ سے غیر اللہ مانگے تو مفید چیز کو چھوڑ کر غیر مفید کا طالب بن جانے کی وجہ سے اللہ کی نگاہ سے گر جاتا ہے، قریب ہے کہ اس کو دھتکار دیا جائے، غضب کا شکار کر دیا جائے اور اپنی معرفت سے محجوب کر دیا جائے اس لیے کہ حقیقت کے فصلہ کی روشنی میں، جس کسی نے اللہ کی طرف مقامِ فقر کی حالت میں اللہ سے غیر اللہ مانگا تو یقیناً اس نے شرک کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ اس مقام کا تقاضا ہے کہ:

اس کی نگاہ میں اللہ کے سوا کوئی نہ ہو، اس کے خیال میں اللہ کے سوا کوئی خیال پیدا نہ ہو، اس کی زبان پر اسم اِلٰہی کے سوا کچھ جاری نہ ہو، اس کے دل میں محبت اِلٰہی کے علاوہ کچھ موجود نہ ہو، اور دل، بحر احدیت میں مستغرق ہو۔

پھر وجود میں اسے غیر اللہ کا علم کیسے ہو حالانکہ اس نے اس (کے قلب و باطن) سے غیر اللہ بھلا دیا ہے؟ اس لیے کہ وہ ماسوا اللہ کا بھولا ہے وہ فنا فی اللہ (ہوا) ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو اللہ کے ساتھ ہے سو وہ اللہ کے لیے طلب سے بے پرواہ نہیں رہ سکتا کیونکہ اس کے فقر کا اختیار کرنے کا مقام مشاہدہِ الٰہی کے شرابِ طہور پینا ہے وہ مقامِ شرب پر فائز ہے نہ کہ مقامِ قرب پر۔

اور مشاہدہِ حق جمالِ الٰہی کے پردوں کے پیچھے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ کی طرف سائر (سیر کرنے والا) ہے اور وہ صفاتِ الٰہی کی تجلیات کے مقام کی طرف واصل (پہنچا ہوا) ہے اور اس کا مقام اللہ کی صفات کی تجلیات ہے مقامِ فقر اختیار کرنے کی صفت سے موصوف ہے وہ تمام مشاہدات اور کشوف سے مستغنی ہے۔ پس وہ

اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے کی حقیقت کا آئینہ دار ہے۔

فقرِ اختیاری کا مفہوم اور اس کی حقیقت

اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے کی حقیقت کا مطلب لوگوں کے وجود سے مستغنی ہو جانے سے عبارت ہے اور حقیقت میں استغناء کا معنی لوگوں کو اپنی ہمت اور دعا سے غنی بنانا ہے اور بعض اکابرینِ دین کا فرمان ہے:

إِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللهُ جب فقر درجہ تمامیت کو پہنچے تو وہ اللہ ہے۔

اور یہ اللہ کی راہ میں ماسوا اللہ سے اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے کے مقام کی انتہائی قدم ہے تا کہ وہ اللہ کی خاطر ماسو اللہ سے تونگری اور دولتمندی اختیار کرنے والا بن جائے۔

پس فقرِ تام سے مراد سلوک وذوق کے طریقے سے فقر اختیار کرنے والا اس مقام تک رسائی پا جائے کہ تمام احوال اور مشاہدات اسے تعجب میں نہ ڈالے، نافرمان نہ بنائے، لذت نہ دے اور نہ اسے معرفتِ حق سے محجوب کر دے۔ کیونکہ اس نے اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے کی وجہ سے معرفتِ الٰہی کی لذت پالی ہے اور وہ اس میں مستغرق ہوا یہاں تک کہ وہ اس میں فنا ہوا ہے سو جب اس کا اپنا کچھ نہ بچا تو بقاء کی صفت کے ساتھ موصوف ہوا چنانچہ وہ اللہ کے ساتھ باقی ہوا تو وہ اس اللہ کے بارے میں خبر دیتا ہے پھر فقر تمام ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کے بارے میں خود خبر دیتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے بارے میں اللہ کے پاس سے خبر دیتا ہے اور جب وہ اللہ کے بارے میں اللہ کی طرف سے خبر دیتا ہے تو فقر اسے اللہ تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے کا ثمرہ اللہ تک رسائی پا جانا ہے اور جو اللہ تک رسائی پا جائے وہ اللہ کے بارے میں خبر دیتا ہے اور جب اللہ کے بارے میں خبر دیتا ہے تو فقر تمام ہو جاتی ہے۔

اللہ کی طرف سے فقر تمام ہونا حاجتمندی باقی نہ رہنا ہے اور جس کو ہر حال میں کوئی حاجت ہی نہ ہو وہ اللہ ہے پس یہ صفت کسی بھی مخلوق کی نہیں ہے کیونکہ مخلوق کی صفت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ کی طرف فقر اختیا کرنا اور حاجتمند ہونا ہے۔

سو ماسوا اللہ سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے والا، وہ اللہ تک رسائی پانے کی وجہ سے ماسوا اللہ سے استغناء کرنے والا ہے اس لیے کہ اللہ کے سوا انہیں کسی کی بھی حاجت نہیں رہتی یہ ان کی ہمتوں کی

بلندی، ان کے قلوب کی صفائی و ستھرائی اور ان کے اسرار کی پاکیزگی کی وجہ سے ہے انہوں نے دنیا کی محبت ترک کر دی ہے چنانچہ اللہ نے اس کے بدلے انہیں آخرت کے ذخیرے عطا فرمائے ہیں چونکہ انہوں نے اس دنیا کا شغل اختیار نہیں کیا اسے اللہ نے انہیں اس دنیا کے بدلے میں اپنی انس و محبت ہمیشہ اپنی طرف نظر اور ہمیشہ اپنے ساتھ وقوف عطا فرمائی ہے۔ان کی انس و محبت اللہ کے ساتھ نہیں بلکہ ان کی انس و محبت اس حال کے ساتھ ہی ہے جو ان کا اللہ کے ساتھ ہے۔ان کی نظر اللہ کی طرف نہیں بلکہ اللہ کے مشاہدہ کی طرف ہے۔ان کا اللہ کے ساتھ وقوف کا مطلب اللہ کے امر کے ساتھ وقوف کرنا ہے۔پس وہ اللہ کی طلب و تلاش میں ہیں یہاں تک کہ وہ حزب اللہ (اللہ کی جماعت) اور فقراَ اللہ (اللہ کے محتاجوں) میں شامل ہو جاتے ہیں جن کے حق میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

رُبَّ اَشْعَثُ اَغْبَرُ ذِی طِمْرَیْنِ لَا یُؤَبَّهُ لَهُ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ۔[6]

بہت سے غبار آلود بالوں اور پھٹے کپڑوں والے ہیں جس کا انکار نہیں کیا جاتا اگر وہ کسی معاملے پر قسم کھالیں تو اللہ اسے پورا کرے گا۔

بعض لوگ مقامات فقر میں طلبِ فقر کے مقام پر فائز ہوتے ہیں، بعض لوگ علمِ فقر کے مقام پر فائز ہوتے ہیں اور بعض لوگ خزانہ ہائے فقر کے غنی ہیں یہی لوگ بذل و ایثار کے مالک ہیں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ[7]

اور اپنی جانوں پر انہیں ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انہیں شدید حاجت ہی ہو۔

اور بعض لوگ مقاماتِ فقر میں اس فقر پر قائم ہوتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ماسو اللہ سے بے رغبت ہو جاتے ہیں یہی لوگ توکل اور کمالِ ایمان والے ہیں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ[8]

ان کے زہد کے باعث نادان انہیں مالدار سمجھے ہوئے ہے۔

6۔ المعجم المفہرس ۱:۱۵۹، تحتِ ابر۔و ۳:۳۴، تحتَ اشعت

7۔ سورۃ الحشر آیت ۹

8۔ سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۳

اور بعض لوگ فقر کے ساتھ ایسی وابستگی اختیار کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں فقر کی مقام و منزلت معلوم ہو نے کی وجہ سے فقر کی سختیاں برداشت کرلیتے ہیں یہی لوگ صبر کے مالک ہوتے ہیں۔جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْفُقَرَآءُ الصَّابِرُوْنَ هُمْ جُلَسَآءُ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

صبر کرنے والے فقراء قیامت کے اللہ کے ہمنشین ہوں گے۔

بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے فقر کی معرفت حاصل کی ہے اور فقر کی انتہا تک رسائی پاگئے ہیں اس لیے اللہ فقر ہی کی وجہ سے انہیں فقر نے فقر کے سوا ماسوا اللہ کے فقر سے بے نیاز کر دیا ہے اور یہاں عنقریب ان کیے فقر کی شرف و منزلت کی بناء پر علمِ حقیقت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور وہ رازِ فقر کے ثمرہ کی لذت اور ذائقہ چکھتے ہیں یہی لوگ فقرِ حقیقی پر فخر کرنے والے ہیں جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ فقر میرا فخر ہے۔

اس مقام سے فقر اختیار کرنے اور فقر پر فخر کرنے والے، فقر کے مقام سے احوال میں ترقی کے مقامات میں داخل کر دیے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ ماسوا اللہ سے تعلقِ محبت قطع کرنے کی طرف رسائی پاجاتے ہیں۔

فقر اَ مقامِ تجلی میں

پس یہ لوگ تجلیاتِ(حق) میں، صفاتِ ذاتی کی تجلیات، صفات افعالی کی تجلیات اور صفاتِ اسماء کے درمیان مقام پر فائز ہوتے ہیں ان کے بعد جمال کے پردے ہیں سو اگر وہ اس کو قطع کرے تو تجلیات کی صفت کو رسائی پاجائے گا جو قیامت کے دن ظاہر ہوں گی اور یہی حقیقی تجلیات ہیں ورنہ وہ لوگ ان تجلیات کے قیدی ہیں جو جمالِ حق کے پردے سے ظاہر ہوں گی جمالِ حق کا پردہ،صفاتِ اسماء اور صفاتِ افعال کی تجلیات کے مقام میں ہے۔اور اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے والے کا مقام، صفاتِ اسماء اور افعال کی تجلیات کے احوال اسے تشفی نہیں دیتے کیونکہ معرفت الٰہی کا بلند ترین آفتاب اللہ کی طرف فقر اختیار کرنے والے کے مقام میں ضوفشانی کرتا ہے اسے انہیں اللہ کے غیر سے کوئی شفاء نہیں ملتی یہاں تک کہ آفتابِ صفاتِ ذات کی تجلیات ظاہر ہو جاتی ہیں۔

اہل معرفت کی علامت

اللہ کی معرفت حاصل کرنے والے کی علامت یہ ہے کہ:

اس کی عادتیں، عبادت اور اس کی عبادتیں، اشارات بن جاتی ہیں، اس کی حرکات و سکنات حالات اور اس کے ارادے واردات بن جاتے ہیں، اس کی باتیں، مناجات اور اس کے معاملات، مشاہدات بن جاتے ہیں۔ اس کے ساعات (اوقات) منازلات بن جاتے ہیں، اس کے خطرات (خیالات) محدثیات بن جاتے ہیں، اس کی ناراضگی، تباہ کن ہو جاتی ہے اور اس کی رضا و خوشنودی، منجیات (نجات کا باعث) ہو جاتی ہے۔

سو جب حضور نبی اکرم ﷺ نے فقر کا انتہائی مقام ملاحظہ فرمایا تو آپ ﷺ نے (فقر کی) مدح سرائی فرمائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لِيْ حِرْفَتَانِ مَنْ اَحَبَّهُمَا فَقَدْ اَحَبَّنِيْ اَلْفَقْرُ وَ الْجِهَادُ

میرے دو پیشے ہیں جس نے انہیں چاہا گویا اس نے مجھ سے محبت کی وہ فقر اور جہاد ہیں۔

جہاں تک آپ کے فقر کا تعلق ہے اس کی خوبی، ماسوا اللہ سے فقر اختیار کرنا اور اللہ سے غنأ حاصل کرنا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنِّيْ أُبِيْتُ عِنْدَ رَبِّيْ فَيُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِيْ[9]

یقیناً میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا اور وہی پلاتا ہے۔

اور غنی باللہ کے حال کی خوبی یہ ہے کہ وہ، قانونِ قدرت کے مطابق کچھ بھی نہ ہونے کے باوجود آسمانوں اور زمین میں اللہ کے خزانوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔ انہی کی وصف میں کہا گیا ہے:

يَمْنَعُهُمْ عُلُوُّ هِمَمُهُمْ عَنْ رَّفْعِ حَوَآئِجِهِمْ اِلَّا اِلىٰ مَوْلَاهُمْ

ان کی بلند ہمتی انہیں حاجتیں اپنے مولیٰ (اللہ) کے سوا کسی اور کے سامنے پیش کرنے سے روکتی ہے۔

اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ سے اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مانگتے، کیونکہ ہمت اللہ کی طرف سے ان کی طرف پیغام رساں ہوتی ہے، اس لیے وہ تمام احوال میں غنی باللہ ہیں۔ اللہ نے اپنی مخلوق کی خاطر ہی انہیں سکر و مستی یعنی

9۔ فی المعجم المفہرس ۲۳۵:۱ تحت :بیت،و صحیح البخاری البغا،صوم، رقم ۱۸۶۰۔۱۸۶۶ و صحیح مسلم، عبد الباقی،صیام رقم ۱۱۰۳

ماسوا اللہ سے مدہوشی کے بعد صحو وہوشیاری عطا فرمایا ہے اور فناء فی اللہ کے بعد بقاء باللہ عطا فرمائی ہے۔اور ان کے لیے احوال میں اللہ کی مراد سے پردہ ہٹادیا گیا ہے سو کبھی وہ ان کی حاجت اس حال میں پوری کرتا ہے کہ اللہ کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اسی سے اسی اللہ کو مانگیں اسے بارگاہِ الٰہی کے دولتمند ان سے اللہ کی مراد پوری کرنے کے اللہ سے اسی کو مانگتے ہیں اور کبھی اللہ کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں سے مانگیں لیکن گڑ گڑا کر نہیں بلکہ ضرورت پوری کرنے کیے۔چنانچہ وہ اغنیاً اپنی ہمت لوگوں کی طرف پھیر لیتے ہیں سو یہاں مخلوق ان کی طرف آتی ہیں پس وہ ان حاملین فقر کو ان کی ضرورت واحتیاج کی شکل وصورت سے پہچانتے ہیں پھر ان کی حاجتیں پوری کرتے ہیں نیتجہ ان فقراء کی حاجتیں پوری کرنے والوں کو ان کے اس عمل پر ان فقرا کی وجہ سے سعادات،حالات اور معاملات عطا کی جاتی ہیں۔

پس دنیا کے دولتمند اور تونگر لوگ فقرائے حاملین فقر حقیقی کی دعا کے حاجت مند ہیں اور دنیا کے فقراَ حقیقت میں اپنے احوال کی بناء پر دولتمند اور تونگر ہیں کیونکہ انہی حاملینِ فقر حقیقی کے وجود مسعود کی برکت سے دنیا قائم ہے اورانہی کی میمنت سے مخلوق کی صلاح و فلاح ہے انہی کے وسیلے سے نفع ملتا ہے اور نقصان ٹل جاتا ہے۔اس لیے کہ وہ اللہ کی مخلوق کی شان اور وسیلہ ہیں کیونکہ مخلوق کے غیاث یعنی فریاد رس ہیں جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ لِاَنَّهُمْ جُلَسَآءُ اللهِ[10]

یہ وہ ہیں جن کی برکت سے ان کے ہمنشین محروم نہیں رہتے کیونکہ وہ اللہ کے ہمنشین ہیں۔

اور جو اللہ کے جلیس وہمنشین کی مجالست اختیار کرے وہ معرفتِ الٰہی کی خوشبو سونگھتا ہے پھر اللہ تک رسائی پا جاتا ہے اور کہا گیا ہے:

لِلْجَنَّةِ قَوْمٌ وَّلِلنَّارِ قَوْمٌ وَّلِلْمَجَالِسَةِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ[11]

کچھ لوگ جنت،کے لیے کچھ جہنم کے لیے اور کچھ مجالست کے لیے ہوتے ہیں۔

اہل مجالست کے لیے دارِ منقلب والمناب (یعنی قیامت کے دن) میں بلکہ جلد ہی موت آنے سے پہلے ہی

10۔ انظر المعجم المفهرس ۳: ۱٦۳، تحت :شقی۔

11۔ انظر ایضاً هنا فصل ۹،ص ۵۲۔۱۴ وقارن بصوم قلب،فصل ۱٦ ص ۴۴۔۱۸،حیث جاء

بدنی اور جسمانی عبادات اور معاملات میں رب الارباب یعنی اللہ کی طرف سے قرب اختیار کرنے کے فوائد ثواب کے علاوہ زیادات اور قلبی قربات ہیں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے:

مَنۡ تَقَرَّبَ مِنِّیۡ شِبۡرًا تَقَرَّبۡتُ مِنۡهُ ذِرَاعًا مَنۡ تَقَرَّبَ مِنِّیۡ ذِرَاعًا تَقَرَّبۡتُ مِنۡهُ بَاعًا وَمَنۡ اَتَانِیۡ یَمۡشِیۡ۔اَتَیۡتُهٗ هَرۡوِلَةً[12]

جو میری جانب ایک بالشت بڑھے میں ایک ہاتھ بڑھتاہوں جو ایک ہاتھ بڑھے میں اس کی جانب ایک گز بڑھتاہوں جو میری جانب چل کر آئے میں اس کی جانب دوڑ کر جاتا ہوں

یعنی جو صدق دل سے میرا قصد کرے تو میں ان کی صدق سے بڑھ کر اپنی کرامت و بزرگی سے اس کو قریب کر دیتاہوں یہاں تک کہ وہ اپنی صدق اور قصد میں مبالغہ کرے تو میں اس کی کرامت اور بزرگی میں اضافہ کرتاہوں یہاں تک کہ میں اس کی صدق کی بنا پر اس کی طلب اور کام کی ابتداء میں ہی مکاشفہ کی طرف کشاں کشاں کھینچ لے جاتاہوں اور یہ اس لیے کہ بابِ سلوک موت سے پہلے واقع ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے سید المرسلین اور رسولِ رب العالمین حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرماہے:

اَلۡجُمُعَةُ حَجُّ الۡمَسَاکِیۡنِ جمعہ مساکین کا حج ہے۔

ہم یہاں کعبہ کی زیارت کی استطاعت نہ رکھنے والے مساکین کی مسکنت کے اسرار دوبارہ بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان مساکین کی جمعہ کی طرف کی جانے والی قصد کو کعبہ کی طرف قصد کرنے والے حجاج کرام کی قصد کی مانند قرار دیاہے۔ اور یہ ان کے قلوب کا کعبۂ حقیقی اللہ کے قرب کی بناء پر، اللہ ہی کی خاطر ان کے جمع ہونے کی وجہ سے اور ان کا اللہ کے مشاہدہ کی وجہ سے جمعہ ان کا حج بن گیا ہے۔



12۔ انظر المعجم المفهرس ۳۵۴:۵، تحت قرب۔

غیر مطوبہ رسائل

رسالہ حقیقت ومجاز

حضرت میر سید علی ہمدانیؒ

ترجمہ: غلام حسن حسنو

(نوائے صوفیہ کے ہر شمارے میں شاہ ہمدان یا سلسلۃ الذہب کے کسی شیخ کا ایک غیر مطبوعہ رسالہ پیش کیا جارہاہے۔ پچھلے شمارے میں حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کے رسالہ" حقیقت انسان "نذر قارئین کی تھی۔ شمارہ ہذا میں اس تسلسل کے تحت" رسالہ حقیقت ومجاز "ہے۔)

رسالہ حقیقت ومجاز کا تعارف

زیر نظر رسالہ رسالہ حقیقت ومجاز اور مکتوب بنام فقہاًکے نام سے میر سید محمد نوربخش کی ایک مستقل تالیف ہے۔ کیونکہ میر سید محمد نوربخش نے خود اسے کسی نام سے موسوم نہیں کیا جس کی وجہ سے نسخہ نویسوں نے مندرجات کی روشنی میں اپنے اپنے مذاق کے مطابق اسے نام دیا۔ اس رسالے میں کیونکہ حقیقت اور مجاز کا ذکر ہے اس لیے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔ یہی نام اس کے لیے زیادہ مناسب بھی لگتا ہے۔ کیونکہ اسے فقہاء کے ایک گروہ کے سوال کے جواب میں قلم بند کیا ہے اس لیے اسے جواب فقہا کا نام دیا گو سید نوربخش نے کسی فرد یا علاقے کا نام نہیں لیا اس لیے حتمی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان فقہاء کا تعلق کس ملک یا علاقے سے تھا؟ لیکن رسالے کے مشمولات سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقہاء نے پیرومرشد کی ضرورت واہمیت اور شرائط و آداب سے متعلق سوال کیا ہوگا یوں اس کے جواب میں یہ تحریر منصۂ شہود پر آئی ہے۔ یہ رسالہ ابھی تک شائع نہیں ہوا اس کے فارسی متن اور اردو ترجمہ پہلی بار شائع کرنے کی ہمیں سعادت مل رہی ہے فلہ الحمد۔

اس کے چند چیدہ چیدہ نکات ذیل میں دیا جارہا ہے۔

ا۔ اسلام شریعت ، طریقت ، حقیقت اور معرفت چاروں کے مجموعے کا نام ہے شریعت اقوالِ رسول ، طریقت افعالِ رسول، حقیقت احوالِ رسول اور معرفت سرمایۂ رسول سے عبارت ہے۔

۲ کشف و شہود کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

۳۔ عشق حقیقی کی حالت میں آدمی کے ہوش و حواس مضمحل ہوتے ہیں اس وقت

گفتہٗ او گفتہٗ اللہ بود

گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود

کا مصداق بن جاتا ہے۔

۴۔ راہ فقر و سلوک پیر و مرشدِ کامل کی راہنمائی کے بغیر طے نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے درج ذیل نسخوں کا ہمیں علم ہے۔

۱۔ یہ رسالہ ''رسالہ حقیقت مجاز'' کے عنوان ہے ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ میں زیر نمبر عربی ۲۲۵ محفوظ ہے نسخہ مکمل ہے لیکن ترقیمہ موجود نہیں ہے۔درج ذیل نسخے نوے فیصد اس سے ملتے جلتے ہیں۔

۲۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتابخانہٗ اسعد آفندی استنبول ترکی زیر نمبر ۳۹۰ محفوظ ہے جو خوبصورت نستعلیق میں ہے یہ نسخہ ۲۸ محرم ۱۰۰۳ھ میں ابراہیم بن محمد السواسی نے قسطنطنیہ میں کتابت کی ہے۔

۳۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتابخانہٗ ملک تہران زیر نمبر ۴۰۵۷ محفوظ ہے۔

۴۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتابخانہٗ مجلس سنا تہران زیر شمارہ ۶۷۲۴ مخفوظ ہے لیکن یہ نامکمل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کامل دینِ اسلام

منان مستعان کے لیے حمد وثنا اور مفخرِ انس وجان کے لیے درود وسلام کے بعد جان لو! کہ کمالِ دین محمدی شریعت، طریقت اور حقیقت (تینوں) سے عبارت ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

اَلشَّرِیْعَةُ اَقْوَالِیْ وَالطَّرِیْقَةُ اَفْعَالِیْ وَ الْحَقِیْقَةُ اَحْوَالِیْ وَالْمَعْرِفَةُ رَاْسُ مَالِیْ۔ شریعت میرے اقوال، طریقت میرے افعال، حقیقت میرے احوال اور معرفت میرا سرمایہ ہیں۔

دین کامل کا عالم

جو آدمی (علوم) شریعت سے بہرہ ور ہو اور احوالِ حقیقت سے نابلد، وہ حقائق کو نہیں سمجھ سکتا اور جو آدمی حقائق سے ناآشنا ہو گویا وہ پورے دین کو نہیں جان سکتا۔

علم دین صحبت مرشد سے مشروط

اور حقائق کشف اور باطنی صفائی مرشدِ کامل کی صحبت میں مامور رہ کر اس کے حکم سے ریاضت و مجاہدہ کیے بغیر میسر نہیں آتا۔ اسی طرح آخرت کے اجر و ثواب کا علم، اخلاقِ ذمیمہ کی اخلاقِ حمیدہ میں تبدیلی، قلب کی صفائی، مکاشفہ، مشاہدہ، تجلی، فنا فی اللہ، بقا باللہ اور علم لدنی کا حصول اور کما حقہ معرفت بھی اس کے بغیر حاصل نہیں آسکتا۔

مثلاً کوئی شخص علم لغت جانتا ہے لیکن علم نحو نہیں جانتا جب وہ نحوی (ماہر علم نحو) سے اعراب کے سلسلے میں: اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا۔ اللہ کا بکثرت ذکر کرو۔

سنتا ہے کہ اُذْكُرُوا فعل و فاعل ہے اور اللہ مفعول ہے یہ سن کر لغوی نحوی کی تکفیر کرے گا کہ اس نے اللہ کو مفعول کہا ہے اگر نحوی چاہے کہ اس شخص کو شبہہ سے باہر نکالے تو وہ علم نحو سکھائے بغیر کسی اور وجوہ سے باہر نہیں نکال سکے گا۔ بس اسی طرح کسی کو اس گروہ کی باتوں میں کوئی شبہہ ہو جب تک وہ اس کو مکاشفہ نہ بنائے اس کا شبہہ رفع نہیں ہو گا۔

حالت فقر و نیاز میں اہل کمال

جان لو! انبیاء اور اولیاء کے احوال مختلف ہوتے ہیں کبھی وہ بشریت و عبدیت میں ہوتے ہیں اس وقت ان سے نیازمندی اور فقر و درویشی کے سوا کچھ صادر نہیں ہوتے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّ اَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ۔ اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین کی موت دے اور مسکینوں کے ساتھ مجھے اٹھالے۔

اسی طرح امام المتقین وَلِيُّ اللّٰهِ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ نے فرمایا

اِلٰهِيْ جَلَّتْ وَجَمَّتْ خَطِيْئَتِيْ فَعَفْوُكَ عَنْ ذَنْبِيْ اَجَلُّ وَاَوْسَعُ

☆اے اللہ! اگر میرے گناہ بڑے اور عظیم ہیں تو تیری بخشش میرے گناہ کی نسبت بہت عظیم اور وسیع ہے۔

اسی طرح اِمَامُ الْمُتَّقِیْنَ امام زَیْنُ الْعَابِدِیْنَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ:

اِلٰھِیْ عَجِبْتُ اَنْ تَغْفِرَلِیْ وَاَنَا اَنَا وَعَجِبْتُ اَنْ لَّا تَغْفِرَلِیْ وَاَنْتَ اَنْتَ۔

اے اللہ! میرے انا کی موجودگی میں میری بخشش سے تعجب ہے اور تیرے ہوتے ہوئے بخشش نہ ہو یہ اور بھی تعجب ہے۔

حالت تخلق باخلاق اللہ میں اہل کمال

کبھی وہ فقر و نیازمندی کی بجائے مقام تخلق باخلاق اللہ (اللہ کے رنگ میں رنگ جانے) کے مقام میں ہوتے ہیں اور وہ صفات الٰہی سے متصف ہو جاتے ہیں اس وقت ان سے عظمت و کبریائی صادر ہوتی ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ۔ جس نے مجھے دیکھا گویا اس نے خدا کو دیکھا۔

نیز آپ فرماتے ہیں :

وِلِیْ مَعَ اللہِ وَقْتٌ لَایَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ۔

رب کے ساتھ میرا ایسا وقت بھی ہے جس میں کسی جس میں کسی مقرب فرشتے کے لیے گنجائش ہوتی ہے نہ نبی مرسل کے لیے۔

اسی طرح حضرت ولی اللہ علی مرتضی خطبۃ البیان میں فرماتے ہیں کہ:

اَنَا اللہُ وَاَنَا الرَّحْمٰنُ وَاَنَا الرَّحِیْمُ وَاَنَا الرَّازِقُ وَاَنَا الْعَلِیُّ وَاَنَا الْاَعْلٰی۔

میں اللہ ہوں میں رحمن ورحیم ہوں، میں خالق ورازق ہوں اور میں علی ہوں۔

بزرگوں کے تعلی اوراس کی وجہ

اے عزیز! جان لو کہ انسانی شجرۂ وجود، نباتی شجر سے بہت سے مراتب میں زیادہ عزیز اور زیادہ مکمل ہے جب وادیٔ ایمن کا شجرۂ نبات مظہر تجلی بن کر کہتا ہے کہ:

یَا مُوْسٰی اِنِّیْ اَنَا اللہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ (قصص ۲۸) اے موسی بے شک میں ہی خدا ہوں۔

بایزید کہتے ہیں کہ:

سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ۔ میں پاک ہوں میری شان کتنی عظیم ہے؟

اور جنید فرماتے ہیں:

ھُوَ لَیْسَ فِیْ جَبَّتِیْ سِوَیٰ اللہ۔ میرے جبے میں اللہ کے سوا کوئی نہیں۔

حسین (بن) منصور حلاج کہتے ہیں:

اَنَا الْحَقُّ۔ میں حق ہوں۔

ابوالحسن خرقانی نے کہا ہے کہ:

اَنَا اَقَلُّ مِنْ رَّبِّیْ بِسَنَتَیْنِ۔ میں رب سے دو سال چھوٹا ہوں

اور ابوالحسین نوری کہتے ہیں :

اَنَا اَفْضَلُ مِنْ رَّبِّیْ بِصِفَتَیْنِ۔ میں اپنے رب سے دو صفات میں افضل ہوں

اس کی مثال یوں ہے کہ لوہے کے ٹکڑے کو لوہار کی بھٹی میں رکھ دیا جائے اس میں مناسب کوئلہ ڈال کر آگ دھکائی جائے اور وہ آگ کی صفات سے متصف ہو جائے مثلاً آگ کا رنگ، حرارت اور جلانے کی صفات۔ پس اس وقت وہ لوہا کہے کہ میں آگ ہوں تو اس نے سچ کہا ہے لیکن جب وہ اس حال سے باہر نکل آئے (ٹھنڈا پڑ جائے) اس وقت وہ آگ ہونے کا دعوی نہیں کر سکتا۔

اسی طرح آئینہ کو آفتاب کے سامنے رکھے جس سے آفتاب منعکس ہوں اس وقت وہ آئینہ:

اَنَا الشَّمْسُ۔ میں آفتاب ہوں نہ کہے تو اور کیا کہے؟

پس حدیث نبوی :

اَللہ یَنْطِلِقُ عَلیٰ لِسَانِ عَبْدِہٖ۔ بیشک اللہ بندے کی زبان سے کلام فرماتا ہے۔

کے تحت جو کلمات انبیاء ، کمّل اولیاء اور شجرۂ موسی سے ظاہر ہوئے ہیں، ان کاملین کی ہستیٔ موہوم انوارِ تجلی کی شعاعوں میں فانی و مضمحل ہونے کا نتیجہ ہیں جیسا کہ:

کَالذَّرَّۃِ فِیْ اَشْعَۃِ النَّیِّرِ الْاَعْظَمِ وَ کَالْقَطْرَۃِ فِی الْیَمِّ ۔ذرۂ نور کا آفتاب کی شعاعوں میں یا قطرۂ آب کا سمندر میں

فانی ہو جانا۔

دران حین کہ من حق مطلق شوم نماند دوئی جملگی حق شوم
بود علم من علم بی ساحلی کہ غوصش نداند بجز واصلی
بود علم من علم بی حدوعد بہ ذراتِ عالم ازل تا ابد
بود علم من علمِ بی منتہا بلاھوت وناسوت وارض وسما
بود علم من علمِ حی علیم نباشد بجز من خدای عظیم !
کسی کو بدریای وحدت رسید خودی ودوئی رفت واوشد وحید
دریں دم اناالحق اگر گوید او
وگر لِیْ مَعَ اللہِ باشد نکو

☆یعنی جب میرے اور حق کے درمیان دوئی اٹھ جاتی ہے تو وہاں صرف حق رہ جاتا ہے۔میرا علم ناپید اکنار دریا بن جاتا ہے جس میں صرف کاملین ہی غوطہ زن ہوسکتے ہیں۔میرا علم حدود و شمار کے لحاظ سے ازل و ابد کی ذرات سے بھی بڑھ جاتا ہے۔میرا علم ارض و سماء اور عالم لاہوت و ناسوت سے بھی بے انتہا ہو جاتا ہے۔میرا علم حی و علیم کا علم بن جاتا ہے اس وقت میں ہی خدائے عظیم ہو تا ہوں۔جو دریائے وحدت تک پہنچ جاتا ہے اس کی خودی اور دوئی اٹھ جاتی ہے اور وہ وحید بن جاتا ہے۔اس مرحلے پر اگر وہ انا الحق پکار اٹھے یا لی مع اللہ کا نعرہ لگائے تو اس کے لیے یہ بالکل زیبا ہے۔

پیر و مرشد کامل کی اہمیت

علم صرف اور نحو علومِ ظاہری کا مبدء ہوتے ہیں جب تک کسی صاحب تفہیم عالم کی شاگردی اختیار نہ کرے یہ (علوم) حاصل نہیں ہوسکتے تو شریعت اور حقیقت کے دقائق پیر و مرشدِ کامل کی صحبت اختیار کئے بغیر کیسے حاصل ہونگے؟ کیونکہ :

کمال از صحبت مردان توان یافت
دراز دریا ولعل از کان توان یافت

دلا درصحبت اہل وفا باش
چو صحبت یافتی اہل وفا باش

☆یعنی کمال باکمال لوگوں کی صحبت و نظر سے ملا کرتا ہے جس طرح جواہرات سمندر سے اور لعل کان سے ملتے ہیں۔اے میرا دل! اہل وفا کی صحبت میں بیٹھا کرو جب کسی کی صحبت میں پہنچ جائے تو اس کا وفادار رہو۔

مَنۡ لَا شَيۡخَ لَهٗ فَشَيۡخُهُ الشَّيۡطَانُ۔ جس کا کوئی استاد نہ ہو تو شیطان اس کا استاد ہوتا ہے۔

پیدبایدراہ راتنہامدو

☆یعنی راہ سلوک میں پیر و مرشد کے بغیر اکیلا مت چلو!

مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدُ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرۡشِدًا۔ جسے اللہ راستہ دکھائے وہ ہدایت پالیتا ہے اور جسے گمراہ کرے اسے کوئی ولی مرشد نہیں مل سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہر بھلائی کی توفیق ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہر دقیق تحقیق موجود ہے۔

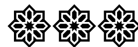
بادوست چو عہد بستہ باشی
حیف است کہ می شکستہ باشی

☆جب محبوب سے عہد محبت باندھ چکا ہے اب اس کے توڑ دینے میں افسوس و ندامت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ولی مدشد اگر یابی طلب کن آنچہ مقصود است
وگر مدشد نیابی کس چو گمداہا نہ مقصود است

☆یعنی اگر تم منزل مقصود تک پہنچنا چاہتے ہو تو کامل ولی مرشد تلاش کرو وہ تمہیں وہاں پہنچادے گا اگر تمہیں ایسا کوئی مرشدِ کامل نہ مل جائے تو پھر بس گمراہی ہی تمہارا مقدر ہے۔

حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام طالبین حق کو مرشدین حقیقت کی صحبت میں پہنچائے (آمین)



احوالِ صوفیہ

حضرت شیخ علی لالا غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

غلام حسن حسنو

آپ کا نام علی، لقب رضی الدین، عرف لالا، والد کا نام سعید اور نسبتی نام جوینی ہے۔ آپ حضرت شیخ مجد الدین بغدادی اور شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ تصوف وعرفان پر آپ کی ایک تصنیف آج بھی محفوظ ہے جس میں اس موضوع پر بہترین خیالات و افکار پیش کئے گئے ہیں۔ آپ ایک بہت اچھے شاعر اور نثر نگار تھے۔

حضرت شیخ علی لالا افغانستان کے رہنے والے تھے اور لالا کا لفظ بھی افغانی ہے جس کے معنی برادر بزرگ، غلام اور روشن جبین کے ہیں۔ ا

غالباً آپ کو لالا عزت واحترام کے طور پر کہا جاتا ہے۔ ایک تو آپ مشہور شاعر حکیم سنائی کے ابن عم تھے ۔ آپ بڑے وسیع المشرب شیخ طریقت تھے۔ سینکڑوں اہل فضل و کمال سے ملاقات کی اور ان سے روحانی فیوض و برکات حاصل کئے انہیں سے خرقہ فضیلت بھی حاصل کیا۔

آپ ۳ ربیع الاول ۶۴۲ھ بمطابق ۲۲ اگست ۱۲۴۳ء بروز بدھ واصل الی الحق ہوئے اور غزنی کے نواح میں مدفون ہوئے۔ جہاں دشت لالا میں آپ کا مزار اب بھی مرجع خلائق ہے۔

کلمۃ الثنائ:

○ عبد الرحمن جامی

- خواجہ اہل حال لالائے عترت و آل شیخ علی لالا
- در بندگی تو آنکہ یکتا است
- لالائے علی علی لالا است
- آپ نے ایک سو چوبیس شیوخ کامل و مکمل سے خرقہ حاصل کیا۔۲
- سید علی ہمدانی
- شیخ الکامل السائر رضی الدین علی لالا۳
- سید محمد نوربخشؒ

وھو علی بن سعید الجوینی کان او حد الاولیاء فی زمانه بکثرۃ المجاھدۃ و ترك الدنیا و زینتھا ۔شاغر کثیر اراجلا و صحب مئته و ثلث عشر۔شیخا حتی و صل الی صحبته ابی الجناب نجم الدین کبری حتی سار سید المرشدین ۴

آپ علی بن سعید الجوینی ہیں۔آپ دنیا اور اس کے زینتوں کے ترک کرنے اور بکثرت مجاہدہ کرنے کی بناء پر اپنے زمانے کے اولیاء میں سے تھے۔آپ نے بکثرت پیدل سفر کئے اور ایک سو تیرہ مشائخ کی صحبت میں رہے۔یہاں تک کہ ابو الجناب شیخ نجم الدین کبریٰ تک پہنچے اور ان کی تربیت سے سید المرشدین بن گئے۔

جان محمد قدسی

نسبت او بسالک والا

شیخ عالم علی بن لالا ۵

شیخ علاوالدولہ سمنانیؒ

شیخ علی لالا کے والد خود ایک صوفی تھے اور شیخ ابو یوسف ہمدانی کے مرید تھے۔فقر و سلوک کی ابتدائی تربیت اپنے والد محترم سے سیکھیں۔٦

ڈاکٹر احسان الدین استخبری

شیخ غزنی شہ رضی الدین مست

با علی ہم نام و می نوش الست

قطب عالم گشت و عالم را مدار

شد قرار عاشقان بے قرارے

زین العابدین شیروانی

عالم عامل و عارف کامل بودہ و فضائل صوری را با کمالات معنوی جمع نمودہ۔۹

آپ عالم باعمل اور عارف کامل تھے اور فضائل صوری و کمالات معنوی آپ میں یکجا تھے۔

آغاز سلوک:

ایک دفعہ آپ حج کے ارادے سے خراسان آئے تھے اور شیخ ابو یوسف ہمدانی کی خدمت میں پہنچے اسی موقع پر شیخ نجم الدین کبریٰؒ طلب حدیث کے لیے ہمدان جارہے تھے اور ہمدان سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر شیخ علی لالا کے گاؤں میں اتر گئے تھے۔ اسی رات شیخ علی لالا نے واقعہ میں دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک سیڑھی چلی گئی ہے۔ سیڑھی کے اوپر ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے نیچے سے بہت سے لوگ اوپر چڑھ رہے ہیں۔ سیڑھی کے آخر میں وہ آدمی ایک ایک کو پکڑ کر آسمان پر پہنچا دیتا ہے۔ چنانچہ شیخ علی لالا بھی اس سیڑھی پر چڑھ گئے اور اس آدمی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا جس نے آپ کو اپنی طرف کھینچا اور آسمان میں پہنچا دیا۔ شیخ علی لالا نے یہ واقعہ اپنے والد کو سنایا تو انہوں نے کہا کیا اس شخص کو جانتے ہو۔ آپ نے فرمایا میں اسے جانتا ہوں اور اس کا نام بھی جانتا ہوں۔ والد نے کہا کہ تمہاری کامیابی کی کلید اس کے پاس ہے۔ جائو اور اسے تلاش کرو۔ آپ ان کی تلاش میں نکل گئے۔ جگہ جگہ گھومے پھرے مگر کوئی سراغ نہ ملا۔ دراصل شیخ نجم الدین کبریٰ ان دنوں بہت مصروف تھے اور مسافرت میں رہتے تھے۔۱۰

ایک بار آپ ترکستان میں شیخ احمد یسوی کی خانقاہ میں خلوت میں بیٹھے ہوئے تھے۔خوارزم سے ایک آدمی وہاں پہنچا۔ شیخ احمد نے وہاں کے مشائخ کے بارے میں سوال کیا تو مسافر نے کہا کہ ان دنوں ایک نوجوان وہاں آیا ہوا ہے۔بہت سے لوگ ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے ہیں۔ شیخ کے استفسار پر بتایا کہ ان کا نام نجم الدین کبریٰؒ ہے۔نام سنتے ہی شیخ علی لالا خلوت سے نکل آئے اور چل پڑے۔اگرچہ شیخ احمد یسوی نے آپ کو روکنے اور سردی کے اختتام تک وہاں رکھنے کی کوشش کی لیکن آپ وہاں نہ رکے اور خوارزم پہنچ گئے۔ شیخ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوکر ریاضت کرنے لگے۔۱۱

خدمت ومدد خلق:

مسلمانوں اور دوسرے انسانوں کی خدمت اور مدد بجائے خو طاعت الٰہی ہے۔ خدمت خلق بہترین عبادت ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خیر الناس من ینفع الناس بہترین آدمی وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔اسی طرح رفاہ عامہ قرون اولی سے مسلمانوں کا طرہ امتیاز رہا ہے۔صوفیائے کرام کوشش کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی طریقے سے دوسروں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائیں۔

اس سلسلے میں حضرت شیخ علی لالا کا عملی نمونہ موجود ہے آپ خود فرماتے ہیں کہ ایک بار میں ایک بستی میں تھا کہ ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ میرے بھائی کو کسی نے پکڑ لیا ہے شیخ کو اس کی مدد کے لیے تشریف لے جانا چاہئے یہ سنتے ہی آپ ساتھ ہولئے۔اتنے میں بادل چھا گئے اور رات ہوگئی اور شدید برف باری شروع ہوگئی۔ آپ نے سفر جاری رکھا۔ آپ کو محسوس ہوا کہ راستہ گم ہوگیا ہے اور تاریکی میں پھنس گئے ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور مناجات فرمائی۔اچانک عصا کی نوک سے نور پیدا ہوا اور یہ نور روشن سے روشن تر ہوتا چلا گیا اور اسی کی روشنی میں راستہ طے کیا۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی تو وہ نور گم ہوگیا۔اس نور سے بے حد وحساب فائدہ پہنچا۔ چاہئے کہ ہر حال میں مسلمان بھائی کی اعانت کرے۔۱۲

سفر ہندوستان اور فیض ابورتن ہندی:

آپ نے ہندوستان کا سفر کیا اور ابوالرضا رتن سے ملے اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

طرف سے امانت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان تک پہنچایا۔ حضرت علائو الدولہ سمنانیؒ نے بھی اسے درست قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ شیخ رضی الدین علی لالا نے ابو الرضا رتن بن نصر اللہ کی محبت پائی تو انہوں نے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امانت کنگھی عطا کی جو حضرت شیخ علائو الدولہ کے پاس تھی اور جس کو انہوں نے کپڑے میں لپیٹ رکھا تھا جس کے اوپر کاغذ رکھ کر اس پر یہ لکھ دیا تھا۔

ھذا المشط من المشط رسول اللہ و صل الی ھذا الضعیف من صاحب رسول اللہ و ھذہ الخرقۃ و صلت من ابی الرضا رتن الی ھذا الضعیف۔ ۱۳

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کنگھیوں میں سے ایک ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اس ضعیف کو پہنچی ہے اور یہ خرقہ ابو الرضا رتن سے اس ضعیف کو پہنچا ہے۔

اسی طرح شیخ علائو الدولہ سمنانی نے اپنے قلم سے لکھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رضی الدین علی لالا کے لئے امانت تھی۔

شیخ علی لالا سے صرف ایک کتاب ثابت ہے جو بھارت کے کسی شہر میں محفوظ ہے لیکن شیخ عبد الرحمن اسفرائنی کے ارشاد ہے کہ رسالہ دروش سلوک و خلوت نشینی میں جگہ جگہ آپ کے اقوال مندرج ہیں۔

اساتذہ اور شاگرد:

حضرت شیخ علی لالا ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے آپ نے بہترین تعلیم و تربیت پائی تھی۔ آپ شیخ نجم الدین کبریٰؒ اور ان کے نامور مرید خواجہ مجد الدین بغدادی سے استفادہ کرتے رہے اور ان سے روحانی اکتساب فیض کرتے رہے ہیں۔ حضرت شیخ علائو الدولہ سمنانیؒ کا بیان ہے کہ " شیخ رضی الدین علی لالا نے طریق انزوا و خلوت شیخ مجد الدین بغدادی سے لیا تھا اور خرقہ ہزار میخی انہی کے ہاتھوں پہنا تھا۔" ۱۴

شیخ مجد الدین کی شہادت کے بعد آپ پھر شیخ نجم الدین کبریٰ سے استفادہ کرتے رہے یہاں تک کہ قطبیت کے درجے کو پہنچ گئے۔ جب شیخ نجم الدین کبریٰؒ شہید ہوئے تو آپ ان کے خلیفہ اور جانشین ہو گئے۔

ان کے علاوہ آپ بے شمار بزرگوں سے فیضیاب ہوئے اور ان سے خرقہ خلافت، تبرکات اور اسناد حاصل کیئے۔

آپ کے بے شمار شاگرد اور مرید تھے، تاہم ان میں سے حضرت شیخ احمد ذاکر جوزجانی بہت مشہور ہیں جنہوں نے آپ سے خرقہ خلافت پایااور آپ کے بعد وہی آپ کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ آپ کے بارے میں حضرت شیخ علائوالدولہ سمنانیؒ کاارشاد ہے کہ " شیخ احمد ذاکر عجیب آدمی تھے۔ ان کا مرتبہ بڑااونچا تھا۔ میں نے غیب میں ان کا روحانی مقام ابوالحسن خرقانی کے برابر پایاہے اور رضی الدین علی لالا سلطان بایزید بسطامی کے برابر تھے۔ ۱۵

ایک دوسرا نامور مرید شیخ عبداللہ تھا۔ جن کے بارے میں روایت ہے کہ شیخ عبدالرحمن اسفرائنی شمس الدین گنجہ کے حوالے سے لکھتے ہیں جب شیخ رضی الدین علی لالا نساء پہنچے اور روح آباد نامی خانقاہ میں اترے۔ وہاں کے عوام اور خواص جوق در جوق ملاقات کے لیے آئے۔ شیخ قبلہ رخ ایک صفہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور اس مجلس میں بہت سے بزرگ تھے۔ آپ کے ایک مرید عبداللہ تجدید وضو کے لیے باہر چلے گئے۔ شیخ نے حاضرین سے کہا کہ یہ عبداللہ کیسے ہیں؟ سب نے کہا ایک عزیز درویش ہیں آپ نے فرمایا یہ ایک عزیز درویش ہی نہیں ہیں۔ تم لوگ ان کو معمولی سمجھتے ہو جبکہ یہ عبداللہ انصاریؒ کے قائم مقام ہیں۔ ۱۶

شاعری:

آپ ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد اور مشہور شاعر حکیم سنائی چچازاد بھائی تھے حکیم سنائی بہت بڑے شاعر اور ادیب ہیں۔ علامہ اقبال نے سفر ہندوستان کے دوران سنائی کی عظمت کا اعتراف یوں کیا تھا۔

سنائی کے ادب میں میں نے غواصی نہ کی ورنہ

ابھی اس بحر میں ورنہ بہت ہیں لولوے لالا

حضرت شیخ علی لالا بھی ذوق و شوق کے حامل بہت اچھے شاعر تھے ذیل میں آپ کی شاعری کے نمونے درج کئے جاتے ہیں۔

اشکال طریقت نشور حل بسوال
نہ نیز بہ درباختن نعمت ومال
تاجان نکنی خون نخوری پنجاہ سال
ازقال تدارہ نمنایند بہ حال ۱۷

ہم جان ہنز ارگدفتار تو است
ہم دل بہنز ارجان خریدار تو است
اندر طلبت نہ خواب باید نہ قدار
ہدکس کہ درآرزوی دیدار تو است ۱۸

عشق ارچہ بسی خون جگدھا دہدت
میخور چو صدف کہ ہم گہدہا دہدت ۱۹

وفات حسرت آیات:

آپ نے شیخ نجم الدین کبریٰ کی تلاش کے دوران سو مشائخ عظام سے فیض حاصل کیا اور زندگی میں ۱۸۴ خرقہ خلافت پائے۔وفات کے وقت بھی آپ کے پاس ۱۱۷ خرقہ خلافت پائے۔۱۳ ربیع الاول ۶۴۲ھ\ ۱۲۴۳ء کو وفات پائی۔مفتی غلام سرور نے تاریخ وفات یوں کہی ہے۔

آن رضی الدین علی لالا ولی
وصف اوبیدون است ازگفت وشنید
گفت تاریخ وصالش اوخدد

سید اکرم علی بن سعید ۲۰

مزار شیخ علی لالا:

حضرت شیخ علی لالا نے اسفرائن (غزنی) میں وفات پائی چنانچہ آپ کے جسد خاکی کو سلطان محمود غزنوی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ غزنی کی تباہی اور مزار سلطان محمود کی بے حرمتی کے بعد یہ جگہ مکمل طور پر تباہ و برباد ہو گئی۔ موجودہ زمانہ میں یہ تباہ وبرباد ویران علاقہ ہے۔ یہ علاقہ دشت لالا کہلاتا ہے اور غزنی شہر کے باہر شمال کی جانب واقع ہے۔ ۲۱

اس کے علاوہ آپ کا ایک اور مبینہ مزار اصفہان نصف جہان کے نواح میں بھی واقع ہے جس کی زیارت کے لیے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ یہ مزار گنبد علی لالا کہلاتا ہے اور پورے خطے میں مشہور ہے۔ ۲۲

(دراصل ماضی میں بزرگوں سے منسوب درگاہیں اور قدم گاہیں عام رہی ہیں۔ کچھ بزرگوں کے بارے میں یہ حسن اعتقاد عام ہے کہ وہ جہاں چاہیں جاسکتے ہیں جسے معجزہ یا کرامت کا نام دیا جاتا ہے۔ چنانچہ مختلف علاقوں میں ان بزرگوں کی بیٹھکوں اور قدم گاہوں کا ذکر ملتا ہے۔ اس ضمن میں برصغیر میں پھیلی ہوئے قدم گاہوں اور بیٹھکوں کا نام لے سکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، حضرت علی علیہ السلام اور دوسرے بزرگان دین سے منسوب ہیں۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے اپنی تحقیقی کتاب مخدوم جہاں گشت بخاری میں سو کے قریب ایسی قدم گاہوں اور زیارتوں کا پتہ دیا ہے۔)

مراجع و مصادر:

۱۔(گردش افغانستان و پاکستان ص۱۱۸)

۲۔(نفحات ص۴۰۰)

۳۔(الطالقانیہ ص۱۳)

۴۔(سلسلۃ الاولیاء ص ۵۳)

۵۔(تحفۃ الاحباب ص ۳۹۳)

۶۔(چہل مجلس ص ۸۰)

۷۔(مقدمہ خمخانہ وحدت ص ۲۳)

۹۔(ریاض السیاحہ ص ۵۰۵)

۱۰۔(چہل مجالس ص ۸۰۔۸۱)

۱۱۔(چہل مجالس ص ۳۷، نفحات ص ۴۳۵)

۱۲۔(مصنفات سمنانی ص ۲۹۳۔۲۹۴)

۱۳۔(نفحات الانس ص ۴۶۶ مجالس المؤمنین ج ۲ ص ۱۳۳)

۱۴۔(صنفات فارسی ص ۳۱۴)

۱۵۔(نفحات الانس ص ۴۳۷)

۱۶۔(کاشف الاسرار ص ۲۴)

۱۷۔(سر سماع ص ۹)

۱۸۔(ریاض السیاحہ ص ۲۶۰ نفحات الانس ص ۴۳۷)

۱۹۔(ریاض العارفین ص ۱۱۸)

۲۰۔(خزینۃ الاصفیاء ص ۲۳۶)

۲۱۔(گردش افغانستان و پاکستان ص ۱۷۸)

۲۲۔(ریاض العارفین ص ۱۱۷)

دین ومعاشرہ

بسم اللہ کی فضیلت

سیّد لیاقت علی شاہ الموسوی براہوی

بسم اللہ اور تسمیہ کا مطلب اللہ تعالیٰ کے نام سے یا اللہ کا نام لے کر کوئی کام شروع کرنا ہے۔ایک مسلمان کا شعار ہے کہ وہ جو کام کرے یا جس کام کو شروع کرے اپنے خالق اور رب کے نام نامی سے کرے۔اس کا اٹھنا بیٹھنا ربِّ غفور رحیم کے اسم گرامی کے ساتھ ہو۔

اللہ رب العالمین نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی اتنی فضیلت رکھی ہے کہ جس کا شمار کرنا ناممکن ہے۔اس سلسلے میں بعض کام مثلاً کسی حلال اوشت جانور کے ذبح کے وقت بسم اللہ یا اس کے مترادفات کا پڑھنا مذبوحہ کے تذکیہ وحلت کے لئے شرط ہے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ عزّوجل نے ارشاد فرمایا کہ:

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ (انعام)

لہٰذا اگر تم آیاتِ الٰہی پر ایمان رکھتے ہو تو اُس گوشت میں سے کھائو جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

اسی طرح کسی تحریری کام کے آغاز میں اس کا پڑھنا اور لکھنا مسلمانوں کا محبوب مشغلہ اور ارباب عرفان کا مرغوب وطیرہ ہے۔اللہ تعالیٰ کی پاک اور لاریب کتاب میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے متعلق آیا ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (نمل ۳۰)

یہ خط سلیمان علیہ السّلام کی طرف سے ہے اور اللہ پاک کے اِسم مبارک سے آغاز کرتا ہوں جو نہایت مہربان اور

رحم کرنے والا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اپنے خط کا آغاز اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے ہی کیا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السّلام کی کشتی کے چلنے کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا!

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِيهَا وَمُرْسٰهَا إِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ھود ۴۱)

یعنی حضرت نوح نے فرمایا کہ لوگو! آؤ اِس میں سوار ہو جاؤ اللہ کے نام سے، اِس کا چلنا اور اِس کا رکنا بھی اسی نام سے ہو گا بے شک میرا رب ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔

گویا کسی بھی ایسے کام کا آغاز جو جائز ہو تو اللہ کا نام لینا اور اس سے شروع کرنا انبیاء علیہم السّلام کی سنّت مبارکہ ہے۔ یُوں اس کام میں برکت پیدا ہوتی ہے۔

نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم بھی کوئی کام کرتے تو اس کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے مختلف فرمانرواؤں کے نام خطوط لکھے تو ان کا آغاز بھی بسم اللہ سے کیا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کس قدر اہمیت کی حامل ہے؟

قارئینِ کرام! چاہے کوئی بھی کام ہو اس کا آغاز اور اس کی ابتدا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر شروع کرنا چاہیے کیونکہ اس میں بنی نوعِ انسان کے لیے خیر و برکت بھی ہے اور فلاح و بہتری بھی۔ اگر ہم غور سے دیکھیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ قرآن مجید و فرقانِ حمید کی نہ صرف ابتدا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے ہوتی ہے بلکہ اس کے 114 سورتوں میں سے 113 سورتوں کا آغاز بھی اسی مبارک جملے سے ہوتا ہے۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہر کام کی ابتدا اور ہر کام کا آغاز بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے کریں۔

رسولِ رحمت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ جب کوئی اُستاد اپنے شاگرد کو پڑھانے کا، اور

تعلیم دینے کا آغاز کرے تو اُس کو چاہیے کہ پڑھائی کی ابتدا بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے کرے اور اُسے صحیح طرح سے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنا سکھائے۔جب وہ اُستاد اپنے شاگرد کو صحیح طرح سے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنا سکھاتا ہے تو شاگرد کے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنے کی برکت سے خداوندِ متعال اُس استاد کو، اُس شاگرد کو اور اُس کے ماں باپ کو دوزخ کی آگ سے آزاد کر دیتا ہے۔ علاوہ ازین اس کے بے شمار فائدے اور فیضان ہیں ہمارے دعوے کی بنیاد یہ روایتیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص دوزخ کی آگ کے ۱۹ شعلوں سے نجات چاہتا ہے تو وہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا ایک ایک حرف آتشِ دوزخ کے ۱۹ شعلوں کے لیے ڈھال بن جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک اور روایت کے مطابق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھے تو اللہ تعالیٰ جلّ شانہ ہر حرف کے بدلے اُس کے نامئہ اعمال میں چار سو نیکیاں درج کرنے کا حکم دیتا ہے اور اُس کے گناہوں میں سے چار سو گناہوں کو کاٹنے کا حکم صادر فرماتا ہے اور اُس بندے کا درجہ چار سو گنا بڑھا دیتا ہے۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ کوئی بھی مؤمن، مسلمان رات کو سوتے وقت بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر سوئے تو اللہ تعالیٰ جلّ جلالہ کی جانب سے فرشتوں کو حکم ملتا ہے کہ اے میرے فرشتو! تم صبح ہونے تک اس بندے کے ہر سانس کے بدلے اس کے نامئہ اعمال میں ایک نیکی درج کرتے رہو۔

مقامِ غور ہے کہ اللہ رب العزت نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنے والے کے لیے کتنی برکتیں رکھی ہیں۔ ہمیں توفیق ہونا یا نہ ہونا ایک الگ بات ہے لیکن اللہ رب العالمین کی رحمتوں اور عنایات کی کوئی انتہا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی حد اور نہ ہی اس کا کوئی حساب و شمار ہے مگر اللہ کی ان تمام رحمتوں اور عنایات کے باوجود ہمیں اللہ کو یاد کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ یادِ الٰہی اور ذکرِ الٰہی سے غافل ہو کر ہم اپنے قیمتی لمحات کو ضائع کر رہے ہوتے ہیں یہ تو ہماری بدقسمتی ہے اس لئے ہمیں غفلت سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی فرمانِ عالی شان ہے کہ پل صراط پار کرتے وقت اگر کوئی بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھے تو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنے والا بندہ بہت آسانی کے ساتھ پل صراط پار کر کے گزر جائے گا اور اس پڑھے ہوئے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی برکت سے دوزخ کی آگ کے شعلے بجھ جائیں گے۔

حضور سرورِ کائنات افضلِ موجودات صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک اور ارشادِ مبارک کے مطابق کوئی شخص کھانا کھاتے وقت بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کھانے میں سے برکت کو اُٹھا لیتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جلّ شانہ نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھے بغیر کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔ سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَا تَاۡكُلُوۡا مِمَّا لَمۡ يُذۡكَرِ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ وَاِنَّهٗ لَفِسۡقٌ (انعام)

یعنی اور جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہو اُسے مت کھاؤ بے شک یہ فسق و گناہ ہے۔

مذکورہ آیت کا آسان مفہوم یہ ہے کہ اللہ کا نام لیے بغیر تم کھانے کو ہاتھ مت لگاؤ۔ اس لیے عرض ہے کہ جب بھی کسی کام کی ابتداء کرو تو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ لیا کرو۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے کیا معنی ہے؟ معنی یہ ہے کہ، اے رحمن و رحیم ہم تیرے پاک نام سے شروع کرتے ہیں۔ گھر سے نکلتے وقت بِسۡمِ اللّٰہِ

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر نکلو۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تمام آفات و بلیلات سے محفوظ رکھنے کی ڈھال ہے۔ قرآنِ پاک کے مطابق اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ اے میرے بندو! تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

معزز قارئینِ کرام! آپ سے عرض کرتا چلوں تو جب آپ قرآنِ شریف پڑھتے ہیں، قرآنِ شریف کی تلاوت کرتے ہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ ہر سورہ سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا ہوا ہے۔ یہ ہمارے نبی پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت بھی ہے کہ ہر اچھا اور نیک کام کرنے سے قبل بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ضرور پڑھنا چاہیے۔ اللہ رب العالمین نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی اتنی فضیلت رکھی ہے کہ جس کا شمار کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔

محترم قارئین کرام! میں فضیلت بسم اللہ کے تسلسل میں ایک سچی حکایت پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ پرانے زمانے میں ایک بہت بڑا عالم فاضل شخص تھا۔ ایک طالب علم اُن کے پاس دریا پار دور دراز علاقے سے پڑھنے کے لیے آتا تھا۔ دور دراز علاقہ اور درمیان میں دریا ہونے کی وجہ سے وہ اکثر و بیشتر دیر سے پہنچتا تھا۔ ایک دن استاد نے تاخیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو شاگرد نے جواب میں کہا کہ میں دریا پار علاقے سے آتا ہوں۔ کبھی مجھے بروقت کشتی مل جاتی ہے اور کبھی نہیں ملتی اور کبھی بھی دوسری وجوہات کی بناء پر تاخیر ہو جاتی ہے۔ استاد نے انہیں ایک تعویز لکھ کر دی اور کہا یہ تعویز اپنے پاس رکھو اور بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر دریا میں اپنا پاؤں رکھو۔ انشاء اللہ تم جلد ادھر پہنچ جاؤ گے۔ اس نے وہ تعویز اپنے پاس رکھی۔ دریا سے گزرنے لگا۔ وہ ڈوبا نہیں آگے چلتا گیا اور اپنے استاد کے پاس پہنچ گیا۔ اس طرح کئی دن وہ بروقت استاد کی خدمت میں پہنچتا اور پڑھ کر واپس جاتا رہا۔ ایک دن اس کو تعویز سے متعلق تجسس پیدا ہوا کہ دیکھنا چاہیے کہ آخر میرے استاد نے اس میں لکھا کیا ہے؟ جب اس نے کھول کر دیکھا تو اس میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا ہوا پایا۔ ساتھ ہی تعویز کی تاثیر جاتی

رہی۔ قارئین کرام بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی برکت و فضیلت اور اس پر مکمل ایمان و یقین ہونے کی وجہ سے ایسا ممکن ہو سکا۔

حدیث کی کتابوں میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض صحابہ کرامؓ کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک قبر کے پاس سے گزرنے لگے تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو اس قبر والی جگہ سے جلدی نکل جانے کا حکم دیا۔ سفر سے واپسی پر اسی قبر پر پہنچ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو رکنے کا حکم دیا پھر آپ نے اس قبر پر فاتحہ پڑھی۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جاتے وقت جب اس قبر کے پاس پہنچے تو آپؐ نے جلدی سے گزر جانے کا حکم دیا واپسی پر اسی قبر پر پہنچ کر آپؐ نے ٹھہرنے کا حکم دیا اور فاتحہ بھی پڑھی اس کا سبب کیا ہے؟ حضور اکرم صلّٰی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو مردہ اس قبر میں دفن ہے اس نے کوئی نیکی نہیں کی تھی چنانچہ اس پر عذاب ہو رہا تھا اس لیے میں نے جلد گزر جانے کا حکم دیا تھا لیکن اس بندے نے مرنے سے پہلے اپنی بیوی کو وصیت کی تھی کہ میرے بعد جب میرا بچہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے تو اس بچے کو دینی تعلیمات اور احکام اسلام کی سب سے پہلے تعلیم دینا۔ آج متوفی کی بیوہ دینی و احکام اسلام کی تعلیمات سیکھنے کے لیے بچے کو کسی عالم دین کے پاس لے گئی تھی اور اس عالم دین نے بچے کو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنا سکھایا ہے تو اس طرح سے بچے نے پہلی بار بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھا چونکہ اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس بندے کے جملہ گناہوں کو معاف کر دیا۔ اس بنا پر میں نے اس کی قبر پر فاتحہ پڑھی ہے۔

ایک اور حدیث میں مروی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک بوڑھی عورت آئی اور کہنے لگی مولاؐ میں نابینا ہوں آپؐ کوئی دعا پڑھیں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے بصارت و بینائی عطا فرمائے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ پڑھ کر دم کیا تو اُس کی آنکھ کھل گئی اور اسے بصارت و بینائی مل گئی۔ اس بوڑھی عورت

نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپؐ نے کیا پڑھا تھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اور سورہ حمد پڑھی تھی۔ یہ سن کر اُس بوڑھی عورت نے کہا کہ یہ تو مجھے بھی پڑھنا آتی ہے۔ اتنے میں اُس کی آنکھ پھر بند ہو گئی۔

یعنی یہ کیا ہے؟ ایک تو خود ذکر کی فضیلت و برکت ہے دوسرا پڑھنے والے کا ایمان ویقین، فضیلت و پرہیز گاری اور اللہ کے ہاں اُس کا مقرب وبر گزیدہ ہونا شامل ہیں۔ اس لیے ان ہستیوں کی دعاؤں اور عبادتوں کو اللہ پاک جلد شرفِ قبولیت بخشتا ہے اور اُن کی لکھی ہوئی تعویزوں کو شفایابی اور تمام مشکلات و مصائب و آلام سے نکلنے کا ذریعہ ووسیلہ بنا دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بعض چھوٹی چیزوں میں برکت عطاء کی ہے۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ بھی اسی میں شامل ہے۔ اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد حاصل ہوتی ہے۔ اس چھوٹی سی آیت میں اس قدر طاقت ہے کہ کوئی عام مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ہمارے پاس بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ جیسی قوت وطاقت ہونے کے باوجود اگر ہم اس کی تاثیر اور دنیوی فوائد سے محروم رہ جاتے ہیں تو یہ ہمارے لئے بڑے افسوس کی بات ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے بڑے فضائل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر ایک ایسی آیت اتری ہے کہ کسی نبی پر سوائے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایسی آیت نہیں اتری۔ وہ آیت بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو:

1. بادل مشرق کی جانب چھٹ گئے۔
2. ہوائیں ساکن ہو گئیں۔

3. سمندر ٹھہر گیا۔

4. جانوروں نے کان لگالئے۔

5. شیاطین پر آسمان سے شعلے گرے۔

پروردگار عالم نے اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا یہ نام لیا جائے اس میں ضرور برکت ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جہنم کے انیس (۱۹) داروغوں سے جو بچنا چاہے وہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھے۔اس کے بھی (۱۹) حروف ہیں، ہر حرف ہر فرشتہ سے بچاؤ بن جائے گا، اسی طرح بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں بھی انیس (۱۹) حروف ہیں اور وہاں فرشتوں کی تعداد بھی انیس (۱۹) ہیں۔

مسند احمد میں ہے آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر آپ کے پیچھے جو صحابی سوار تھے ان کا بیان ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی ذرا پھسلی تو میں نے کہا شیطان کا ستیاناس ہو۔ آپؐ نے فرمایا یہ نہ کہو، اس سے شیطان خوشی سے پھولتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ گویا اس نے اپنی طاقت سے گرایا۔ہاں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کہنے سے وہ ذلیل وپست ہو جاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس کام کو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہوتا ہے۔(تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ ۳۸)

انسان کسی بھی وقت کسی بھی مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہو سکتا ہے۔اس ناگہانی صورت حال میں جہاں انسان اپنے بچنے کی تدبیر کرتا ہے وہاں اس کو چاہیے کہ کثرت سے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنا شروع کر دیا کرے۔ یہ آزمودہ اور مجرب عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے تمام اُمور و عملیات و معاملات کو شروع کرتے وقت بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنے کی توفیق واستطاعت عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔



توحید

اللہ کی وحدانیت اور معرفت

ابو الفیضان چھوربٹی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

صدق اللہ العلی العظیم

آپ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمادیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے وہ نہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر شریک ہے۔

سورۃ الاخلاص کا تعارف:

سورۂ اخلاص جسے سورۂ توحید بھی کہتے ہیں۔ اس میں توحید باری تعالیٰ کا جامع تذکرہ ہے۔ الاخلاص اس سورت کا محض نام ہی نہیں بلکہ اس کے مضمون کا عنوان بھی ہے۔ کیونکہ اس مختصر مگر جامع سورۂ مبارکہ میں توحیدِ خالص بیان کی گئی ہے۔ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام لوگوں کو توحید باری تعالیٰ کی تعلیم دیتے رہے اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوگوں کو ایک اللہ وحدہٗ لا شریک کی طرف بلایا۔ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و مرسلین علہیم السلام کو تفویض کردہ فرائض میں سے سب سے اہم توحید باری تعالیٰ کی تعلیم ہی تھی۔

سورۃ الاخلاص کی شان نزول!

سورۂ مبارکہ جسے سورۂ توحید بھی کہتے ہیں اس میں توحید باری تعالیٰ کا جامع تذکرہ موجود ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کی شان نزول کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ قریش کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اپنے رب کا نسب بتادیں اس پر یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خیبر کے کچھ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے ابوالقاسم اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو نور حجاب سے، آدم علیہ السلام کو مٹی کے سڑے ہوئے گارے سے، ابلیس کو آگ کے شعلے سے، آسمان کو دھوئیں سے اور زمین کو پانی کے جھاگ سے بنایا۔ آپ ہمیں اپنے رب کے متعلق بتائیے کہ وہ کس چیز سے بنا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا پھر حضرت جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے فرما دیجئے ۔

یعنی آپ ؐ کہہ دیجئے! وہ اللہ یکتا ہے اللہ بے نیاز ہے نہ کسی کا والد ہے نہ وہ پیدا کیا گیا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔

سورۃ الاخلاص کی فضیلت!

احادیث مبارکہ میں اس سورۂ مبارکہ کی بہت فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں اس سورہ کی بڑی عظمت تھی اور آپؐ مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو اس کی اہمیت محسوس کراتے تھے، تاکہ وہ کثرت سے اُسے پڑھیں اور عوام الناس اسے پھیلائیں کیونکہ یہ اسلام کے اولین بنیادی عقیدے توحید کو چار فقروں میں بیان کر دیتی ہے، جو فوراً ہی انسان کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور بآسانی زبان پر جاری ہوتے ہیں، حضرت ابوسعید حذری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی اس سے عاجز ہے کہ قرآن مجید کا تہائی حصہ پڑھ لیں؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ کو یہ بات مشکل معلوم ہوئی اور انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے کون اس کی طاقت رکھتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سورت اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے (بخاری و مسلم)۔

ترمذی اور مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میں اس سورت سے بہت محبت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کی محبت نے تجھے جنت میں پہنچا دیا۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اس سورت مبارکہ کو دس مرتبہ پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس شخص کے لئے جنت میں ایک محل تعمیر کرے گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر تو ہم بہت سے محل بنوائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ اس سے بھی زیادہ اور اس سے بھی اچھے دینے والا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دعوات صوفیہ میں جتنے بھی نفلی عبادات خاص کر نفلی نماز کا تذکرہ موجود ہے ان میں سب سے زیادہ تلاوت سورۃ الاخلاص کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قربت کے ذرائع میں سے سب سے اہم ذریعہ نفلی عبادات ہے اور نفلی نمازوں میں سورۃ اخلاص کی تلاوت سے ہی اللہ جل شانہ کی قربت حاصل ہوتی ہے۔

دورِ بعثت میں عقیدے کی صورت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توحید کی دعوت دینے لگے اس وقت پوری دنیا خاص کر عربوں کے مذہبی تصورات یکسر توحید سے خالی تھی۔ بت پرست، مشرکین اپنے ہاتھوں سے تراشیدہ اور من پسند خدائوں کی پوجا کرتے تھے۔ مشرکین کی ایک بڑی تعداد اس بات کے قائل تھی کہ خدا کا انسانی شکل میں ظہور ہوتا ہے اور کچھ لوگ اس کے اوتار ہوتے ہیں، مسیحی اگرچہ ایک خدا کو ماننے کے مدّعی تھے مگر ان کا خدا بھی کم از کم ایک بیٹا تو رکھتا ہی تھا اور باپ بیٹے کے ساتھ خدائی میں روح القدس کو بھی حصہ دار ہونے کا شرف حاصل تھا حتیٰ کہ ماں بھی ہوتی تھی اور اس کی ساس بھی یوں وہ اقنوم ثلاثہ میں بھٹک رہے تھے۔ یہودی بھی ایک خدا کو ماننے کا دعوٰی تو کرتے تھے۔ مگر ان کا خدا بھی مادیت، جسمانیت اور دوسری انسانی صفات سے خالی نہ تھا وہ ٹہلتا تھا انسانی شکل میں نمودار ہوتا تھا (نعوذ باللہ من ذالک) اس کے علاوہ دھریہ اور مشرک اللہ تعالیٰ کی صفات کے منکر اور وحدہٗ لاشریک کے لیے بیوی بچے ماننے والے تھے ان مذہبی گروہوں کے علاوہ مجوسی، بدھ مت اور صابی بھی کثیر تعداد میں موجود تھے۔ جو کہ بالترتیب آتش پرست، بدھ پرست اور مظاہر پرست تھے، ان حالات میں جب اللہ وحدہٗ لاشریک کو ماننے کی دعوت دی گئی تو ان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہونا ایک لازمی امر تھا کہ جس معبود حقیقی کی

طرف بلایا جارہا ہے، وہ معبود حقیقی کس قسم کا ہو گا؟ جسے تمام ارباب اور معبودوں کو چھوڑ کر تنہا ایک ہی رب اور معبود تسلیم کرنے کی دعوت دی جارہی ہے۔لہذا اس سورۃ مبارکہ میں ان سب کی تردید ہے ھو اللہ فرمانے میں دھریوں کی تردید ہے، احد فرمانے میں مشرکین کا مکمل رد ہے اور اگلی آیات میں بقیہ کفار کا رد ہے۔ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ ایک ہے یعنی ربوبیت اور الوہیت میں عظمت و کمال کی صفات کے ساتھ موصوف ہے، اس کی نہ کوئی مثل ہے نہ نظیر اور نہ ہی شبیہ، اس کا کوئی شریک نہیں اللہ بے نیاز ہے، نہ کھاتا نہ پیتا ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔کسی کام میں کسی کا بھی حاجتمند نہیں۔نہ اس نے کسی کو جنم دیا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا یعنی اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے کیونکہ اولاد باپ کی جنس سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے یونہی وہ خود کسی سے پیدا نہیں ہوا کیونکہ وہ قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔پیدا ہونا اس چیز کی صفت ہے جو پہلے نہ ہو اور پھر وجود میں آئے اس میں مشرکین اور یہود و نصاریٰ سب کی تردید ہے، مشرکین فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں کہتے تھے ۔یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو جبکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اس لئے اللہ وحدہ لا شریک نے اس سورۂ مبارکہ کو نازل فرمایا اور ان چند الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایسا واضح تصور پیش کیا گیا جو تمام مشرکانہ تصورات کا قلع قمع کر دیتا ہے اس کی ذات کے ساتھ مخلوقات کی صفات میں سے کسی صفت کی آلودگی کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کی وحدانیت کے بارے میں شاہ سید محمد نور بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاعتقادیہ میں فرماتے ہیں۔

وَهُوَ اَنْ تَعْتَقِدَ اَنَّ اللهَ وَاجِبُ الْوجُوْدِ حَيٌّ عَلِيْمٌ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ قَدِيْرٌ ذُوْاِرَادَةٍ وَّكَلَامٍ وَهُوَ بِالْعِلْمِ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ مِّنَ الْعَرْشِ وَالْكُرْسِيِّ وَالسَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَالْاَرَضِيْنَ وَمَا فِيْهِمَا وَفَوْقَ الْعَرْشِ لَاشَيْءَ غَيْرُهٗ عُلُوًّا بِالشَّانِ لَا بِالْمَكَانِ وَلَا نِهَايَةَ لَهٗ وَهُوَ نُوْرُ الْاَنْوَارِ وَلَيْسَ لَهٗ جِسْمٌ وَّلَا كِثَافَةٌ وَّلَا لَوْنٌ وَّهُوَ مُنَزَّهٌ عَنْهَا (کتاب الاعتقادیہ ص۳۶)

ذات باری تعالیٰ !

یعنی اس بات پر اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔وہ بذات خود زندہ ہے۔جاننے والا ہے، سننے والا ہے۔دیکھنے والا ہے۔ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔صاحب ارادہ ہے اور صاحب کلام ہے اس کا علم

عرش و کرسی، ساتوں آسمان و زمین اور ان میں موجود تمام اشیاء اور چیزوں پر محیط ہے بالا عرش اس کے علم کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ وہ مکان کے اعتبار سے نہیں بلکہ شان کے لحاظ سے بلند و بالا ہے اس کی کوئی انتہا ہے اور نہ ہی کوئی حد۔ وہ تو نور الانوار ہے۔ اس کا کوئی جسم ہے نہ اس کی کوئی کثافت ہے اور نہ ہی اس کا کوئی رنگ ہے وہ تو ان چیزوں سے پاک و منزہ ہے۔

اسی طرح دعوات صوفیہ میں بھی اوراد فتحیہ کے ذیل میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بارے میں ان الفاظ میں اظہار کیا گیا ہے۔

یَامَنْ تَقَدَّسَتْ عَنِ الْاَشْبَاهِ ذَاتُهٗ وَ تَنَزَّهَتْ عَنْ مُّشَابَهَةِ الْاَمْثَالِ صِفَاتُهٗ یَامَنْ دَلَّتْ عَلٰی وَحْدَانِیَّتِهٖ اٰیَاتُهٗ وَ شَهِدَتْ بِرَبُوْبِیَّتِهٖ مَصْنُوْعَاتُهٗ وَاحِدٌ لَّا مِنْ قِلَّةٍ وَّمَوْجُوْدٌ لَّا مِنْ عِلَّةٍ یَامَنْ هُوَ بِالْبِرِّ مَعْرُوْفٌ وَّبِالْاِحْسَانِ مَوْصُوْفٌ مَّعْرُوْفٌ بِلَا غَایَةٍ وَّمَوْصُوْفٌ بِلَا نِهَایَةٍ اَوَّلٌ قَدِیْمٌ بِلَا ابْتِدَآءٍ وَّاٰخِرٌ کَرِیْمٌ بِلَا انْتِهَآءٍ غَفَرَ ذُنُوْبَ الْمُذْنِبِیْنَ کَرَمًا وَّ حِلْمًا یَامَنْ لَّیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْئٌ وَّ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔

اے وہ ہستی جس کی ذات نظائر سے پاک ہے اور جس کی صفات مثالوں کے مشابہ ہونے سے پاکیزہ ہیں۔ اے وہ ہستی جس کی نشانیاں اُس کی یکتائی پر دلالت کرتی ہیں اور جس کی کاریگریاں اس کے رب ہونے پر گواہی دیتی ہیں، وہ ایک ہے لیکن کسی قلت عدد کے لحاظ سے نہیں وہ موجود ہے لیکن کسی علّتِ وجود کے لحاظ سے نہیں۔

اے وہ ہستی جو بے لوث نیکی سے پہچانی جاتی ہے، بندوں پر کئے گئے احسان سے اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے، کسی آخری حد کے بغیر اُس کی پہچان ہو سکتی ہے۔ کسی انتہا کے بغیر اُس کا تذکرہ کیا جاتا ہے،۔ وہ کسی آغاز کے بغیر ذات قدیم اور اول ہے کسی انتہا کے بغیر وہ ذات آخر اور بندہ نواز ہے۔ اپنے فضل و کرم اور بردباری سے وہ گناہ گاروں کے گناہ کو بخش دیتا ہے۔ اے وہ ذات جس کی کوئی بھی مثال نہیں بن سکتی وہ سُننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

آپ کہہ دیجئے! وہ اللہ یکتا ہے اللہ بے نیاز ہے نہ کسی کا والد ہے نہ وہ پیدا کیا گیا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانت و یکتائی کا ثبوت

حضرت شیخ علائو الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ العروہ لاھل الحلوۃ والجلوۃ میں اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے یکتا

ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ واجب الوجود ذات کا یکتا ہونا ضروری ہے اگر اللہ تعالیٰ کی ذات دو ہوں تو ان دونوں کے درمیان نشان امتیاز اگر نہیں ہے تو دونوں کا ایک ہی ذات ہونا لازم آئے گا اور اگر ان مین مابہ الامتیاز یعنی فرق پایا جاتا ہے اور ہر ایک صاحب کمال نہیں تو جو صاحب کمال نہیں نظام کائنات کا خالق نہیں ہو سکتا اور اگر دونوں صاحب کمال ہیں تو دونوں باکمال ذات کے لیے الگ الگ نظام کائنات ہونا چاہیے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ (سورۃ الملک آیت ۳)

یعنی اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی تخلیق میں کوئی بگاڑ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان

اللہ تعالی کی ذات اوراس پر ایمان کے بارے میں شاہ سید محمد نور بخش قہستانیؒ کتاب الاعتقادیہ میں فرماتے ہیں ۔

اَنَ مَعۡرِفَةَ ذَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ صِفَاتِهٖ كَمَا هِیَ لا تَكُوۡن مَقۡدَوۡرَةً لِغَیۡرِ اللّٰهِ وَ لِذَا یَقُوۡلُ اَكۡمَلُ نَوعِ الۡاِنۡسَانِ سُبۡحَانَكَ مَا عَرَفۡنَاكَ حَقَّ مَعۡرِفَتِكَ فِی اَكۡثَرِ اَلۡاَوَانِ وَ لٰكِنۡ اَبَیِّنُ لَكَ مَا لَا بُدَّ مِنۡهُ لِتَكُوۡنَ مِنۡ زُمۡرَةِ اَهۡلِ اَلۡاِیۡمَانِ (کتاب الاعتقادیہ عربی ص ۳۵)

آگاہ رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذات اور صفات کی کماحقہ معرفت و پہچان غیر اللہ کے بس میں نہیں ہے اسی وجہ سے نوع انسان کی کامل ترین ہستی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اوقات فرمایا کرتے تھے۔ سُبۡحَانَكَ مَا عَرَفۡنَاكَ حَقَّ مَعۡرِفَتِكَ یعنی ۔

اے اللہ تو پاک ہے ہم نے تجھ کو ایسا نہیں پہچانا جیسا تجھے پہچاننے کا حق ہے۔

لیکن میں تمہارے لیے اس سلسلے کی ضروری باتیں بیان کرتا ہوں۔ جنہیں جان کر تم اہل ایمان گروہ میں سے ہو جاتے۔

ذات باری تعالیٰ پر اعتقاد کے بارے میں حضرت علاوالدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ العروہ لاھل الخلوۃ و الجلوۃ میں فرماتے ہیں کہ واجب الوجود خدائے یکتا کی ذات کا جوہر اس گمان سے منزہ ہے۔ جو کافر لوگ کرتے ہیں

اور ہر اس وصف سے بلند و برتر ہے جو انجان لوگ بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام صفات سے منزہ ہے جو اس کے شایان شان نہیں۔ یقین کرے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات وہ یکتا ذات ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے اور ماسوائے اللہ سے ہر اعتبار سے ازلاً و ابداً بے نیاز ہے اس کی ذات کوئی جسم نہیں کیونکہ وہ تو یکتا ہے جبکہ جسم صورت اور مادہ سے مؤلف ہے۔ چونکہ وہ اپنی ذات سے قائم ہے اور دائم البقا ہے اس لیے اس کی ذات عرض بھی نہیں ہے کیونکہ عرض وہ ہے جو اپنی ذات سے قائم نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے مفردات، مؤلفات اور مرکبات کو عارض اور طاری ہو۔ اس کی ذات جوہر بھی نہیں کیونکہ وہ تو ازلاً اور ابداً غیر اللہ سے بے نیاز ہے جبکہ جوہر اپنے وجود اور بقا دونوں میں موجد و مبقی کے فیضان کا محتاج ہوتا ہے اگر موجد و مبقی کا فیضان نہ ہو تو جوہر کا وجود و عدم دونوں برابر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی دس صفاتِ ذاتی پر ایمان

جس طرح اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی ذات واحد یکتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات بھی ازلی و ابدی ہیں۔ صفات باری تعالیٰ کے بارے میں حضرت علاو الدولہ سمنانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک کے دس صفات ہیں جن کو صفات ذاتی کہتے ہیں، وجود کے لیے اسم ذات کے علاوہ کوئی اور کوئی نام نہیں ہے کیونکہ وجود کو ذات کے ساتھ خصوصی اور قریبی تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دس صفات ذاتی مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ وہ حیّ ذات ہے جو ذوحیاۃ ہے

۲۔ وہ سمیع ذات ہے جو ذو سمع ہے

۳۔ وہ بصیر ذات ہے جو ذوبصر ہے

۴۔ وہ متکلم ذات ہے جو ذوکلام ہے

۵۔ وہ علیم ذات ہے جو ذوعلم ہے

۶۔ وہ مرید ذات ہے جو ذوارادہ ہے

۷۔ وہ قدیر ذات ہے جو ذوقدرۃ ہے

۸۔ وہ حکیم ذات ہے جو ذو حکمت ہے

۹۔ وہ وجود والی ذات ہے

۱۰۔ وہ نور والی ذات ہے

احادیث مبارکہ میں اللہ تبارک تعالیٰ کی حمد و ثنا کے ساتھ ساتھ اس کی وحدانیت اور ربوبیت کا اظہار جا بجا مذکور ہے چنانچہ اوراد امیریہ میں شاہ ہمدان امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث نقل فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد فرماتے تھے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ لَہُ الْمُلْكُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْیٍٔ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا رَادَّ لِمَا قَضَیْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ

یعنی اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں جو اکیلا ہے اور کوئی شریک نہیں بادشاہت اسی کی ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لیے ہے اور وہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ پروردگار جو چیز عطا کرے اس کو روکنے والا کوئی نہیں اور جس چیز کو تو روک دے اس کو عطا کرنے والا کوئی نہیں اور بزرگی والے کو اس کی بزرگی تیرے عذاب کے مقابلے میں فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

یہ حدیث مبارکہ دعوات صوفیہ میں اور اوراد فتحیہ کے ذیل میں ہو بہو شامل ہے اسی طرح دعوات صوفیہ، اوراد امیریہ، کتاب ذکریہ اور باقی بزرگان دین کی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ساتھ ساتھ اس کی وحدانیت اور ربوبیت کی بیش قیمت اذکار موجود ہیں مثلاً اوراد خمسہ میں اللہ تعالیٰ کی تحمید یوں بیان کی گئی ہے۔

اَلَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ وَاَسْئَلُہُ التَّوْبَۃَ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَاِلَیْكَ یَرْجِعُ السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

یعنی وہ (اللہ تعالیٰ) جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو کہ زندہ ہے اور اپنی ذات سے قائم و دائم ہے میں اُسی ہستی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اسی سے توبہ مانگتا ہوں اے اللہ تو سدا سلامت ہے۔ تجھی سے جہاں کی سلامتی ہے، تیری طرف سلامتی کا رجوع ہے اے پرودگار! ہمیں امن چین سے زندہ رکھ اور سلامتی کے گھر (جنت) میں

داخل کر دے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت

شاہ سید محمد نور بخش قہستانی رحمتہ اللہ علیہ کتاب الاعتقادیہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے ذات اور صفات کی کماحقہ معرفت و پہچان غیر اللہ کے بس میں نہیں ہے۔ لیکن ایمان والوں کے گروہ میں شامل ہونے کے لئے اس سلسلے کی ضروری ضروری باتیں جاننا ضروری ہے۔ اسی بات کا اظہار خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اوقات فرماتے تھے:

سُبْحَانَكَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

یعنی اے اللہ! تو پاک ہے ہم نے تجھ کو ایسا نہیں پہچانا جیسا کہ تجھے پہچاننے کا حق ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مبارک قول اوراد فتحیہ میں شامل ہے جو کہ اہل صفاء ہر روز صبح کی نماز کے بعد باآواز بلند ورد کیا کرتے ہیں اور حرز جان بنائے ہوئے ہیں اسی طرح امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث مبارکہ کو کتاب الامیریہ میں نقل کیا ہے۔

معرفت باری تعالیٰ کے بارے میں سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ ذخیرۃ الملوک میں فرماتے ہیں کہ ایمان کی حقیقت کا پہلا اصول پروردگار عالم کی معرفت ہے اس کی معرفت کی کوئی انتہا نہیں ہے اور اس صحرا کے پیاسوں کی پیاس ختم ہونے والی نہیں۔ تمام کائنات کی پیدائش اور تمام مخلوقات کی آفرینش کا مقصود اسی حقیقت کا اظہار ہے۔ تمام مخلوقات، فرشتوں، انبیاء، اولیاء حکمائ، علمائے دین، جن وانس کی سمجھ اور عقلوں نے اس اصل کی حقیقت میں سے جو کچھ سمجھا یا دیکھا وہ عظمتِ خداوندی اور جلال الٰہی کے سامنے ایسا ہے جیسا سمندر کے سامنے ایک قطرہ۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ	انہوں نے اللہ کو نہیں پہچانا جیسا کہ اس کو پہچاننے کا حق ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا یعنی اور یہ علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

جس بارِ امانت کو آسمان اور زمین نہ اُٹھا سکے، اُسے مر دار دنیا کے طلبگار، کمزور، گھٹیا اور پست ہمت لوگ کیسے اُٹھا سکتے ہیں ؟۔ البتہ عام لوگوں کے ایمان کی صحت اور درستی کے لیے جن باتوں کو جانے بغیر چارہ نہیں وہ یہ ہیں۔ دل و جاں سے جان لینا کہ پروردگار عالم ایسا یگانہ ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں، ایسا یکتا ہے کہ کوئی اُس کی مثل نہیں ایسا صمد اور بے نیاز ہے کہ کوئی اس کی ضد اور مقابل نہیں۔ ایسا قدیم ہے کہ کوئی اس کا اول نہیں، ایسا قیوم ہے کہ اس کا کوئی آخر نہیں، ایسا ازلی ہے کہ اس کی ازلیّت کی کوئی ابتدا نہیں۔ ایسا ابدی ہے کہ اُس کی ابدیت کی کوئی انتہا نہیں، ایسا باطن ہے کہ اس کے باطن ہونے کے اسرارِ خفیہ کی کسی کو اطلاع نہیں۔ ایسا زندہ ذات ہے کہ تمام کائنات کی زندگی اُس کے قرصِ رحمت کے قطروں میں سے محض ایک بوند ہے۔ ایسا عالم ہے کہ تمام معلومات اس کے علم کے دائرے کا صرف ایک نقطہ ہے۔ ایسا ارادہ والا ہے کہ تمام مُرادات اُس کی کتاب مشیت کا صرف ایک حرف ہے ایسا قدرت والا ہے کہ تمام مقدورات اُس کے قبضہ قدرت میں مقہور اور مجبور ہیں ایسا سننے والا ہے کہ مختلف بولیوں، جداگانہ خیالات اور دلوں کی باتیں اور آوازیں بلند ہونے سے پہلے سن لیتا ہے۔ ایسا دیکھنے والا ہے کہ اس کی بینائی تحت الثریٰ میں چیونٹی کی حرکت کو بھی دیکھتی ہے۔ ایسا متکلم ہے کہ اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کا جو طوق تمام مخلوقات کی گردنوں میں پڑا ہوا ہے اس کی گویائی کے راز کا نتیجہ ہے ایسا لطیف ہے کہ اس کی ذات برتر کا جسم، جوہر، عرض کچھ بھی نہیں، اس ذات مقدس کی کوئی صورت نہیں ہے کیفیت، کمیت، جہات، اقطار، چونی اور چگونی کو اس کی ذات مقدس کی طرف کوئی راہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود توحید کے دلائل

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم اس کے عذاب سے بچو جس نے تمہارے کھانے کے لئے انواع و اقسام کے میوے پیدا کئے پس خدا کے ساتھ کسی کو ہمسر نہ بناؤ اور تم جانتے بھی ہو، یہ آیت اللہ تعالیٰ کے وجود پر بہت بڑی دلیل ہے۔ زمین اور آسمان کی مختلف شکل و صورت، مختلف مزاج اور مختلف نفع کی موجودات، ان میں سے ہر ایک کا نفع بخش ہونا اور خاص حکمت کا حامل ہونا۔ ان کے خالق کے وجود کا اور اس کی عظیم الشان قدرت، حکمت، زبردست، سطوت اور

سلطنت کا ثبوت ہے۔ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے ہارون الرشید نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے؟ آپؒ نے فرمایا کہ زمانوں کا مختلف ہونا، آوازوں کا جدا گانہ ہونا، نغموں کا الگ ہونا ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس موجود ہے۔

ماخذ و مصادر

۱۔ قرآن الکریم

۲۔ صحیح بخاری۔

۳۔ صحیح مسلم۔

۴۔ جامع ترمذی۔

۵۔ مسند امام احمد بن حنبل۔

۶۔ العروہ لاہل الخلوۃ والجلوۃ از شیخ علاوالدولہ سمنانی۔

۷۔ اوراد امیریہ از امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ۔

۸۔ ذخیرۃ الملوک از امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ۔

۹۔ کتاب الاعتقادیہ از شاہ سید محمد نور بخش قہستانی

۱۰۔ دعوات صوفیہ



نشرِ مکرّر

حفظ قرآن کی اہمیت وضرورت

مولانا غلام رسول حقانی

(نشرِ مکرر کے عنوان سے اس شمارے میں نوائے صوفیہ شمارہ ۱۰۸ جولائی اگست ۲۰۱۱ء میں شائع شدہ مولانا غلام رسول حقانی کا مضمون حفظ قرآن کی اہمیت وضرورت اشاعت ہے)

تمام تعریفیں اس ذات بابرکت کے لیے جو اس جہاں کا پالنے والا ہے۔ اصل رازق بھی وہی ہے اور اصل مالک بھی وہی ہے۔ اس کے احاطہ قدرت و علم سے کچھ بھی باہر نہیں۔ تمام اعمال و حرکات اسی کی مرضی کے مطابق ہیں۔ وہ چاہے تو کسی کا نہ چاہنا اس کی چاہت کو روک نہیں سکتا۔ اگر وہ نہ چاہے تو کسی کا چاہنا بھی عبث شمار ہو گا اور بات اس دعا کے مطابق بھی ہے۔

اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا راد لما قضیت ولا ینفع ذالجد منك الجدo

اب ہم نے اللہ کے سامنے اپنی مرضی نہیں چلانی جو رب حکم دے۔ اسی کو عمل میں لانا ہے اور پوری دنیا کی مشکل کشائی چھوڑ کر اسی کو رب العالمین اور مشکل کشا ماننا ہے۔ خود بھی سوچنا ہے اور اپنی اولاد کو بھی اسی چیز کی تربیت دینا ہے۔

اسی تربیت میں ایک اہم حصہ قرآن کریم کا حفظ کرنا اور کرانا ہے۔ جس کے فقدان کی وجہ سے ہم دوسرے اقوام سے پیچھے ہیں۔ اس لیے حدیث مبارکہ میں ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ (رواہ البخاری)۔ تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہے۔

اشراف امتی حملۃ القرآن و اصحاب اللیل۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)۔

کہ میری امت امت کے شریف لوگ وہ ہیں جو قرآن کے حاملین ہیں اور رات کو بیدار رہنے والے ہیں۔ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ دنیا کے مال و دولت اور عزت کی کوئی حقیقت نہیں۔اصل چیز علم دین کا حاصل کرنا ہے اور قرآن کی تعلیم دنیاومافیھا سے بہتر ہے۔حضرت ابو سعید حذریؓ سے روایت ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں جس شخص کو قرآن میرے ذکر سے اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول کرے۔میں اس کو سوال کرنے والوں سے زیادہ عطا کروں گا اور کلام اللہ کی فضیلت دوسرے سارے کاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ کی فضیلت تمام مخلوق پر ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

کہ جس شخص کے دل میں قرآن کا کچھ حصہ بھی نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے (ترمذی)

اب انسان تمام باتوں کو مدِ نظر رکھ کر دیکھے کہ قرآن کو سیکھنے میں کتنی بڑی فضلیت ہے مگر ہم نے ان فضائل کو پس پشت ڈال کر سکول اور کالج کی تعلیم کو اہمیت دی ہے۔کسی مدرسہ کی طرف یا قرآن کی تعلیم کی طرف لوگوں کی توجہ کم جاتی ہے اور ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ اس دنیوی تعلیم کے حصول میں ہی ہماری کامیابی ہے اور دینی علوم کے سیکھنے میں نہیں۔لیکن یاد رکھو! عظمت قرآن کے سامنے باقی علوم و فنون کی کوئی حیثیت نہیں۔قرآن کا معجزہ ہونا یہ ایک مسلم بات ہے اور ایک معجزہ یہ ہے جو ہر مسلم اور غیر مسلم اور ہر دوست اور دشمن کے سامنے ہے اور وہ یہ کہ چھوٹے چھوٹے بچے،جوان اور بڑی عمر کے لوگ اس کو یاد کر لیتے ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ قرآن کریم صرف ذہین وفطین افراد کو ہی یاد نہیں ہوتا بلکہ ہر اس شخص کے سینے میں اتر جاتا ہے جو اس کو حاصل کرنے میں دل سے محنت کرے اور اس کی تگ و دو میں لگا رہے۔بڑے بڑے ذہین اور حافظے کی قوت رکھنے والے اپنی زبان میں لکھی ہوئی کتاب کے پچاس صفحے بھی یاد نہیں کر سکتے اور روزانہ تھوڑا وقت لگانے سے قرآن مجید کند ذہن والوں کو بھی یاد ہو جاتا ہے جو اپنی زبان میں بھی نہیں۔جب تک اللہ کو منظور ہے کہ قرآن دنیا میں ہے اس کو یاد کرنے والے رہیں گے مگر ہماری بد قسمتی کہ ہم نے قرآن کی عظمت کو دل میں نہیں اتارا۔صرف اس کو ضرورت کے موقع پر ختم شریف تک محدود رکھا اور طاقوں میں سجانے کے سوا کچھ کام نہیں لیا اگر کسی سے یہ کہا جائے کہ اپنے بچے کو قرآن فہمی کی طرف بھیج دو تو جواب ملے گا کہ ہم نے سکول اور کالج کی

تعلیم سے آراستہ کرنا ہے۔ قرآن کریم کو صرف ناظرہ تک رکھنا ہے اور حفظ کا کام تو صرف ملاؤں کا ہے ہمارا نہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے قرآن مجید پڑھا اور اس کو خوب یاد کر لیا اور اس کے حلال کو حلال رکھا اور اس کے حرام کو حرام رکھا تو خدا تعالی اس کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس لوگوں کے بارے میں اس کی سفارش کرے گا۔ جن کے لیے دوزخ میں جانا واجب ہو چکا ہو گا۔ جو بچہ حفظ کر لیتا ہے اس کی قوت حافظہ اور سمجھ میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ آئندہ جو بھی تعلیم حاصل کرے۔ ہمیشہ اپنے ساتھیوں سے آگے رہتا ہے۔ قرآن کی برکت سے انسان دنیا و آخرت میں ترقی کر لیتا ہے۔ افسوس ہے کہ لوگوں نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں۔ کوئی قرآن کی طرف بڑھے تو اس کی برکات کا پتا چلے۔ بہت سے جاہل کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رٹانے سے کیا فائدہ۔ یہ لوگ روپے پیسے کو فائدہ سمجھتے ہیں۔ ہر حرف پر دس نیکیاں ملنا جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد نبویؐ ہے کہ جو شخص کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھے تو اس کے لیے اس حرف کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر لکھی جاتی ہے۔ پھر فرمایا۔ میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ الف ایک حرف ہے۔ لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (ترمذی)۔ اگر کسی نے لفظ الحمد کہا تو اس کے کہنے سے پچاس نیکیاں مل جائیں گی کیونکہ اس میں پانچ حروف ہیں۔

اب ہم ان تمام فضائل کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے کیوں جاتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ صرف اس کا فائدہ موت تک ہے۔ جبکہ دینی علوم سے مزین شخص موت کے بعد بھی فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے بچوں کو کم از کم حفظ قرآن کی طرف متوجہ کرائیں تاکہ وہ اپنی آخرت کے لیے نجات کا ذریعہ بنیں اور دوسروں کے لیے بھی باعث نجات ہوں۔ کیونکہ بہترین اولاد وہی ہے جو اپنے والدین کے لیے صدقہ جاریہ ہو۔ میرا مقصد نبوی تعلیم سے نفرت نہیں بلکہ یہ ایک ضرورت ہے اور اصلی ضرورت جو آخرت میں بھی کام آئے وہ ہے اپنے بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنا۔ اس لیے خدارا آخرت کی فکر کریں۔ صرف دنیا کے پیچھے نہ لگے رہیں۔ اللہ تعالی ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!



عبادات

نماز باجماعت اور اقسام مقتدی

ڈاکٹر عبدلعزیز ریسرچ اسکالر آزاد کشمیر

مذکورہ بالا عنوان کے تحت نوائے صوفیہ ای ایڈیشن شمارہ ۱۳۱ ماہ جون ۲۰۲۰ء میں راقم الحروف نے ایک تحقیقاتی ارٹیکل شائع کرنے کے لیے ارسال کیا تھا جو کہ بروقت شائع فرما کر شکریہ ادا کرنے کا موقع بہم پہنچایا۔ مذکورہ مضمون کے شائع ہونے کے بعد کافی لوگوں نے فون کر کے اس پر داد تحسین سے نوازا جن کا فہرست طویل ہے اس لیے کسی کا نام لکھے بغیر سب کا تہ دل سے شکر گزار ہوں اور حوصلہ افزائی کرنے والے تمام افراد کی قدر کرتے ہیں۔ چونکہ راقم کا نوائے صوفیہ میں یہ پہلا مضمون تھا۔ اس طرح کی حوصلہ افزائی نئے لکھاری کو مزید لکھنے میں مدد گار ثابت ہوتے ہیں۔ راقم نے مزکورہ مضمون میں درج ذیل الفاظ کے ساتھ اس عنوان کے متعلق اپنی پوزیشن واضح کیا تھا اور یہ بھی اقرار کیا تھا کہ تمام اصلاح کرنے والوں کی آراء کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

راقم الحروف یہ اقرار کرتے ہیں کہ میں کوئی عالم دین نہیں ہوں اور یہ تحریر مکمل عرق ریزی کے ساتھ تحقیق کے بعد منصہ شہود پر لایا ہے۔ نیز جید علماء سے اصلاح بھی کرایا ہے۔ بحیثیت خطاکار انسان کسی قسم کی کوئی غلطی پایئے تو قارئین سے اپیل ہے کہ معاف کرتے ہوئے نشاندہی کرے تاکہ اصلاح ہو جائے۔ اقتباس گزشتہ مضمون شمارہ ۱۳۱ نوائے صوفیہ (۱۰)۔

مذکورہ مضمون کے شائع ہونے کے بعد نوائے صوفیہ کے منتظمین نے راقم کو آگاہ کیا کہ کچھ علماء کرام نے مذکورہ مضمون میں مندرج کچھ نقائص کی طرف توجہ دلایا ہے لہذا ان کی تصحیح کرائی جائیں۔ اس سلسلے میں مزید قلم

اٹھانے سے اپنے آپ کو معزور خیال کرتے کافی عرصہ گزرا۔ ساتھ ہی مواد جمع کرنے کا کام بھی جاری رہا۔ کچھ ذاتی مصروفیات کے باعث حالیہ مقالہ تاخیر کا شکار ہوا۔ جس کے لیے منتظمین سے معذرت خواہ ہوں۔

طریقہ کار:

حالیہ مضمون کی تیاری میں ایڈوانس تحقیقاتی مقالہ لکھنے کے طریقہ کار کو مد نظر رکھا ہے۔ اس سلسلہ میں سسٹمیک ریویو آف لٹریچر کے اصولوں سے مدد لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مذکورہ طریقہ کار کا اصول یہ ہے کہ مختلف ویب سائٹ کے سرچ انجنوں کے ذریعے آن لائن مواد جمع کرتے ہیں۔ اور ان تمام مواد کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے محقق کسی حتمی فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ یہاں راقم الحروف نے اسی اصول کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے مذکورہ اصول سے تھوڑا اختلاف کیا ہے اور آن لائن مواد جمع کرنے کے بجائے مختلف شائع شدہ قلمی اور چھاپی مواد سے حالیہ مقالہ تیار کیا ہے۔ جبکہ تھوڑا مواد آن لائن ذرائع سے بھی حاصل کیا ہے جیسے حدیث کی کتاب اور نوائے صوفیہ کا نیا شمارہ وغیرہ اسی ذرائع سے حاصل کیا ہے۔ حوالہ جات مقالے کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس سلسلے میں حقیر پر تقصیر کس قدر کامیاب رہا یا ناکام رہا۔ اس کا فیصلہ قارئین کرام خود کریں گے۔

نتائج اور نقد و تجزیہ :

مذکورہ بالا نقائص کی چھان بین کے سلسلے میں راقم نے مفتی علی محمد ہادی صاحب سے رابطہ کیا۔ تو انہوں نے درج ذیل خامیوں کی نشاندہی کرائی۔ مفتی علی محمد ہادی صاحب کے بقول" مضمون میں مندرج چاروں اقسام یعنی لاحق، ملحوق، سابق اور مسبوق کا وجہ تسمیہ مبہم ہے۔ اس طرح کی تقسیم فقہ احوط سمیت کسی کتاب میں نہیں ملتی ہے۔ یہاں انہوں نے فرمایا کہ اسکی صورت مذکورہ تقسیم سے الٹ والی ہو سکتی ہیں یعنی سابق، مسبوق اور لاحق، ملحوق ہو سکتی ہے۔ یا پھر ان کے نام مسبوق نمبر ۱، مسبوق نمبر ۲، مسبوق نمبر ۳، اور مسبوق نمبر ۴ ہو سکتا ہے۔ چونکہ لفظ مسبوق کا ذکر فقہ احوط میں بھی مذکور ہیں۔ مزید مفتی موصوف نے فرمایا کہ وہ مقتدی حضرات جو دوسری اور چوتھی رکعت میں شامل جماعت ہوتے ہیں۔ یعنی متذکرہ بالا مضمون میں مندرج تقسیم کے مطابق

ملحوق اور مسبوق مقتدی اپنی آخری انفرادی طور پر ادا کی جانے والی رکعت میں مکمل تشہد پڑھیں گے"۔ جبکہ متذکرہ مضمون کے مطابق ملحوق اور مسبوق مقتدی اپنی آخری انفرادی رکعت میں بغیر تشہد پڑھے سلام پھیرنے کی تجویز پیش کیا تھا۔

راقم الحروف پچھلے ایک عرصہ سے اس موضوع سے متعلق مواد جمع کرتا رہا۔ میری ناقص تحقیق کے مطابق مجموعہ احادیث کی ایک کتاب کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال سے مسبوق مقتدی سے متعلقہ درج ذیل ممکنات کا پتہ چلا ہے (یہاں یہ بات واضح رہیں کہ مسبوق سے مراد صرف وہ مذکورہ مسبوق نہیں ہیں جو چوتھی رکعت میں شامل جماعت ہوتے ہیں بلکہ اس سے مراد کسی بھی وقت سے شامل ہونے والی مقتدی ہے)۔ کنز العمال کے مطابق حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مختلف اوقات میں باجماعت نماز میں بحیثیت مسبوق مقتدی شامل ہوا۔ اور امام کی مکمل اتباع کرتے ہوئے رہ جانے والے ابتدائی رکعتیں آخر میں ادا کی۔ ورنہ اس سے پہلے صحابہ کرامؓ اپنی رہ جانے والی رکعات ابتداء میں انفرادی طور پر ادا کرتے تھے اور پھر شامل جماعت ہوتے تھے۔ دونوں صحابہ کرامؓ کے اس عمل پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تمہارے لیے ایک سنت جاری کر دی ہے اسے تم بھی اپناؤ (۱)۔ مگر یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کی ان احادیث میں وہ تفصیلات موجود نہیں ہیں کہ رہ جانے والی رکعتیں آخر میں کس ترکیب سے ادا کرنی ہے۔

فقہ احوط میں لفظ مسبوق دو مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ ایک مرتبہ باب الصلوۃ نماز جماعت کی آدائیگی کے ذیل میں جبکہ دوسری مرتبہ اسی باب میں نماز جنازہ کی بجا آوری کے عنوان کے تحت رقم ہوئی ہے۔ ان دونوں مقامات پر صرف نام کا استعمال ہوا ہے اور طریقہ کار سے متعلق فقہ احوط دونوں مقامات پر خاموش ہے۔ جبکہ لفظ سابق باب نمبر ۵۰ السبق والرّمایہ میں دو مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ اور یہاں اس کی تعریف بھی بیان ہوا ہے۔ جس کے مطابق " سابق وہ گھوڑا ہوتا ہے جو دوڑ میں مد مقابل گھوڑے کی گردن اور شانہ یا کانوں سے آگے نکل جائے۔"

یہاں بھی طریقہ نماز سے متعلق کوئی مدد نہیں ملتا بلکہ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ سابق آگے نکلنے والا ہوتا ہے۔اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ سابق شروع سے نماز میں شامل ہونے والوں کو کہا جاتا ہے(۳)۔احادیث اور فقہ احوط کے تمام حوالہ جات میں ترکیب نماز تفصیل سے کہیں بھی نہیں لکھی گئی ہے۔جبکہ متذکرہ بالا مضمون میں راقم نے جو تفصیل دیا تھا وہ سراج الاسلام کے حاشیہ پر تفصیل سے درج شدہ موجود ہے(۲)۔مزید برآں نوائے صوفیہ میں بھی مکمل درج ہیں۔یہاں یہ بات واضح رہیں کہ علامہ بشیر مرحوم نے آپ کے مسائل اور ان کا حل کے نام سے نوائے صوفیہ میں اپنی زندگی کے آخری ایام تک مستقل طور پر سائیلین کے سوالات کا تشفی جواب دیتا رہا ہے اور ان سوالوں کو اسی نام سے کتابی شکل میں بھی تدوین کیا جاچکا ہے (۷) ۔ علامہ بشیر مرحوم نے اپنے ایک مضمون شائع شدہ جون ۱۹۹۷ء نوائے صوفیہ شمارہ نمبر ۳۰ میں اس مضمون کو مکمل تفصیل سے بیان کیا ہے۔جس میں انہوں نے حضرت شاہ ہمدانؒ کے تجویز کردہ مقتدی کے چار نام بنام لاحق، ملحوق،سابق اور مسبوق درج کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی واضح کردی ہیں۔کہ حقیقتاً ان میں سے ہر ایک قسم مسبوق ہی ہے۔پہلی قسم مسبوق نمبرا، دوسری قسم مسبوق نمبر ۲، تیسری قسم مسبوق نمبر ۳، اور چوتھی قسم مسبوق نمبر ۴ ہے۔(۹)۔

مولانا اعجاز غربی نے فقہ احوط اردو ترجمہ کے حاشیہ پر طریقہ نمبر دوم کے ثبوت کے طور پر کچھ نکات درج کیا ہے اور امام جعفر صادقؑ کا ایک فرمان بھی اپنے قول کے دلیل میں پیش کیا ہے۔جس میں فرمایا ہے کہ {جب تم سے امام کے پیچھے کی کوئی چیز رہ جائے تو جو تم پالو اسے اپنی نماز کی ابتدا قرار دو اور اپنی نماز کی ابتدا کو آخر نہ بناؤ } (۴)۔یہاں انہوں نے طریقہ کار(یعنی طریقہ نمبر دوم)کو تفصیل سے درج نہیں کیا ہے اس لیے ان کی باتوں کو یہاں تک درج کر رہا ہوں۔مزید تحقیق کے لیے مذکورہ کتاب کا مطالعہ فائدہ مند ہوگا۔رسالہ امامیہ میں وہی تفصیلات ہو بہو درج ہے جو سراج الاسلام کے ضمن میں سابقہ مضمون میں بیان ہوا ہے۔جس میں مقتدی کے نام اس ترتیب سے یعنی لاحق، ملحوق،سابق اور مسبوق کے نام سے درج ہے۔مزید برآں رسالہ امامیہ کے مطابق ملحوق مقتدی اپنی آخری انفرادی طور پر پڑھی جانے والی رکعت میں تشہد نہیں پڑھیں گے بلکہ صرف

درود شریف پڑھ کر سلام پھیریں گے(۵)۔کتاب فلاح المومنین میں بھی ایسا ہی تفصیلات درج ہیں مزید یہ کہ متذکرہ اقسام کو کلینی میں سے تحفہ قاسمی میں نقل کیا ہے اور مولانا مرحوم نے تحفہ قاسمی سے اخذ کیا ہے(٦)۔ نماز نور بخشیہ نامی کتابچہ میں مولانا عارف صاحب نے جماعت میں شمولیت کے عنوان سے تقریباً ان تمام باتوں کا اعادہ کیا ہے جو علامہ بشیر مرحوم نے نوائے صوفیہ میں مرقوم کیا تھا۔ یہاں دو باتیں علامہ مرحوم کی باتوں سے مختلف لکھی ہے۔ پہلی بات یہ کہ مولانا نے مقتدی کی پانچ اقسام درج کیا ہے۔ پہلی قسم کا نام سابق درج کیا ہے۔ جو کہ پہلی رکعت میں شامل ہونے والے مقتدی ہوتے ہیں۔ جبکہ پہلے رکعت کے رکوع کے بعد شامل ہونے والے مقتدیوں کو مسبوق کے نام سے یاد کیا ہے۔ جو مسبوق نمبر ا، مسبوق نمبر ۲، مسبوق نمبر ۳، اور مسبوق نمبر ۴ ہے ۔ دوسری بات جو مولانا عارف صاحب نے علامہ بشیر سے اختلاف کیا ہے وہ مسبوق نمبر ۳ کے ترکیب نماز سے متعلق ہے۔ جس کے مطابق امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق مقتدی اپنی رہ جانے والی رکعتوں کے لیے کھڑا ہو جائے۔ اور رکعت کے اختتام پر قعدہ میں بیٹھ کر تشہد پڑھ لیں۔ کیونکہ اس کی دو رکعت ہو چکی ہے۔ مزید یہ کہ اگلے رکعت میں سورۃ اور قنوت پڑھ لیں اور تشہد کے لیے قعدہ میں نہ بیٹھیں۔ آخری رکعت میں قیام میں آکر فاتحہ مفرد پڑھ کر رکعت پورا کریں اور قعدہ میں تشہد بھی پڑھ لیں اور سلام پھیر لے(۸)۔ اس ایک ترکیب کے علاوہ باقی تمام مواد علامہ بشیر مرحوم کے مقالے سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں۔

ایک چیز واضح کرنا چاہتا ہوں کہ خلاصۃ الایمان نام کی کتاب جو کہ امیر کبیرؒ کا تصنیف بتایا جاتا ہے۔ جسکا حوالہ سراج الاسلام میں دیا گیا ہے۔ راقم نے اب تک نہیں دیکھی ہے اور نہ ہی کہیں اس کی موجودگی کا راقم کو علم ہے(۱۱)۔ دیگر فلاح المومنین میں ایک کتاب تحفہ قاسمی کے حوالے سے بھی لکھا ہے کہ اس میں بھی متذکرہ ترکیب اقسام مقتدی مندرج ہیں(۱۲)۔

راقم کے جمع کردہ تمام مواد ثانوی حیثیت کا حامل حوالہ جات ہیں۔ چونکہ ان میں سے کچھ حاشیوں پر درج ہیں جبکہ متن کتاب خاموش ہیں یا پھر ایسے کتابوں سے ماخوذ ہیں جن کی حیثیت بنیادی ماخذات نہیں سمجھا جاتا۔

راقم الحروف نے سراج الاسلام کے حاشیہ اور علامہ بشیر مرحوم کے نوائے صوفیہ میں دیئے گئے فتووں کی روشنی میں یہ تحقیقی مقالہ تیار کیا ہے(۲)۔ مزید اوپر ذکر کردہ کتابوں اور رسائل سے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ ان تمام مواد کا خلاصہ اور عام لوگوں کی روزانہ کے معمولات کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو ہمیں چار طریقہ کار مروج نظر آتے ہیں۔ طریقہ نمبر ایک اور دو پہلے مضمون میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ مزید دو اور طریقے بھی ممکنات میں سے ہیں۔ جن میں سے ایک طریقہ علامہ علی محمد ہادی صاحب کے تجویز کے ذیل میں اوپر ذکر ہوا ہے اور چوتھا طریقہ مولانا عارف صاحب نے نماز نوربخشیہ میں تجویز کیا ہے۔ ناچیز کی ذاتی خیال یہ ہے کی ان میں سے جس طریقے سے مقتدی کا دل مطمئن ہو۔ وہی اس کے لیے بہتر ہیں۔ کیونکہ ہر طریقے کے تجویز کنندہ گان کے پاس دلائل موجود ہیں۔ مگر میری ذاتی تحقیق کے مطابق طریقہ نمبر ایک سب سے بہتر ہے اور اس کے حق میں دلائل باقی تمام طریقہ کار کی نسبت زیادہ واضح اور ٹھوس بنیادوں پر استوار ہے۔ اس لیے علماء کرام سے دستہ بستہ عرض معروض ہیں کہ اس سلسلے میں عوام کو حقایق سے آگاہ کریں۔ اور صحیح مسائل سے روشناس کرائیں۔ ورنہ راقم کی طرح کے نام نہاد محقق اپنی خامہ فرسایوں کو عین دین بنا کر پیش کرتا رہے گا۔ یا پھر عوام اپنی مرضی کا طریقہ ایجاد کرتا رہے گا۔ اس سلسلے میں علماء کرام کی طرف سے مستقبل میں صحیح رہنمائی کے لیے پرامید ہوں۔

یہاں راقم اقرار کرتے ہیں کہ اس مضمون کی تیاری کسی ذاتی عناد یا کسی کو فائدہ پہنچانے کے لیے ہرگز نہیں ہیں۔ مزید کسی فرد یا ادارے سے اس سلسلے میں کسی قسم کی تعاون بھی حاصل نہیں کیا ہے۔ جن مواد سے فائدہ اٹھایا ہے ان کا مکمل حوالہ بھی درج کیا ہے اوران پر نقد و تنقیح کے عمل سے گزارا ہے۔ اس سلسلے میں کسی بات سے کسی بھی قاری کا دل آزاری ہو تو قبل از معذرت خواہ اور غلطیوں کی اصلاح کے لیے مفید مشوروں کا خواستگار ہوں۔

حوالہ جات۔

۱۔ کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال از علامہ علاءالدین علی متقی بن حسام الدین (مجموعہ حدیث)

۲۔ سراج الاسلام از میر مختار اخیار

۳۔ فقہ احوط اردو ترجمہ از علامہ بشیر براہوی

۴۔ فقہ احوط۔ مترجم اردو اعجاز حسین غریبی

۵۔ رسالہ امامیہ مع دعوت صوفیہ نوربخش۔ مصنف معلوم ندارد

۶۔ فلاح المومنین از مولانا حمزہ علی

۷۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل از علامہ بشیر براہوی

۸۔ نماز نوربخشیہ از مولانا عارف

۹۔ نوائے صوفیہ شمارہ ۳۰۔

۱۰۔ نوائے صوفیہ ای ایڈیشن شمارہ ۱۳۱۔

ثانوی حوالہ جات

۱۱۔ خلاصۃ الایمان از امیر کبیر بحوالہ سراج الاسلام

۱۲۔ تحفہ قاسمی بحوالہ فلاح المومنین

